خوشبوئے غزل

صحرا کی سرزمین گلوں سے سنور گئی
آخر ہمارے درد کی خوشبو بکھر گئی

فاطمہ تاج

خوشبوئے غزل

صحرا کی سرزمین گلوں سے سنور گئی
آخر ہمارے درد کی خوشبو بکھر گئی

فاطمہ تاج

تاریخ و سن اشاعت	۳۱ر اگست ۱۹۹۴ء
بار اوّل	۵۰۰
کتابت	شفیع اقبال
طباعت	اعجاز پرنٹنگ پریس۔ چھتہ بازار حیدرآباد ۲
ترتیب و تزئین	فاطمہ تاج
ناشر	فاطمہ تاج

قیمت : ۵۰ روپے

• جزوی تعاون اُردو اکیڈیمی، آندھرا پردیش

کتاب ملنے کے پتے

* حسامی بک ڈپو ــــ مچھلی کمان۔ پتھر گٹی۔ حیدرآباد ۲
* الکتاب ــــ میونسپل کورشل۔ عابڈس A-115، حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱
* مکتبۂ شاداب ــــ 147-5-11، ریڈ ہلز۔ حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱
* مکتبۂ جامعہ ــــ جامعہ نگر۔ نئی دہلی۔
* مصنفہ ــــ ۳۳۹-۳-۲۲، میر چوک۔ مگر باؤلی۔ حیدرآباد ۲

فون نمبر: 521948

* "کہکشاں"۔ ۸۲۴/۷-۳-۱۱، جدید ملے پلی۔ حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱
(فون: 228802)

ترتیب و تزئین

مذہبی شاعری

غزلیں

عکسِ نظر

ہر شعر گُل تر ہے مگر سوچ رہا ہوں
تہذیبِ نظر ہے کہ یہ خوشبوئے غزل ہے

روشن مستقبل سے فیضیاب ہونے والی نایاب شخصیتیں چاہے وہ زندگی کے کسی بھی شعبہ سے تعلق کیوں نہ رکھتی ہوں کسی نہ کسی طرح اپنے فکر و خیال کی روشنی پھیلاتی ہوئیں با صلاحیت اور با شعور ہونے کا احساس دلاتی رہتی ہیں اور پھر جن شخصیتوں کی ہنرمندی، پتھر کو آئینہ مٹی کو سونا، کانٹوں کو پھول اور تاریکیوں کو اُجالوں کا لباس فاخرہ پہناتی ہو اُن کے دل و دماغ کی روشن لکیریں سارے ماحول کو پُر نور بنا دیتی ہیں، جن کے جذبات، خیالات، مشاہدات اور تجربات کی تیز رَو معاشرے کے رگ و ریشے میں کچھ اِس طرح در آتی ہے کہ صبح و شام، روز و شب اور تمام ساعتوں کی پُر بہار وسعتیں کائنات کے ذرّہ، ذرّہ میں پھیل جاتی ہیں۔ اپنے وجود اپنی شخصیت کو سنوارنے والے ایسے لوگ مشاہدات اور تجربات کی گلیوں اور شاہراہوں سے گزرتے ہوئے نظر شناسوں کے دامن میں پھیل جاتے ہیں، اُن پھولوں کے لئے جو تمام صحنِ چمن کو تازگی سے عطر بیز کرتے ہوئے اپنی فطری خوشبو سے مہکاتے ہیں۔ اُن تمام نور فشاں لمحات سے ایک ایسے فنکار کی ذات بھی وابستہ ہوجاتی ہے جس کو قدرت نے گُل افشانی سے نوازا ہے۔

شعر و ادب کے نبض شناسوں، تہذیبی اقدار کے پارکھوں اور قدرت کی انمول نعمتوں کو دوسروں تک پہونچانے والوں کی دنیا عجیب ہوتی ہے جو

کبھی تو پھول برساتی ہے اور کبھی آنسو بہاتی ہے۔

فنکار کی دنیا پُر ہجوم، ہنگاموں میں رہ کر بھی تنہا رہتی ہے۔ تنہا رہ کر بھی گردشِ دوراں کی ہم رکاب رہتی ہے۔ تمام موسموں کی نرمی و گرمی سے گزرتی ہوئی فنکاروں کی ذات مشکل پسند دکھائی دیتی ہے ـــــ راستوں سے گزرتے ہوئے بھی منزل شناسی کا ادراک رکھتی ہے۔ اس کی ساری جولانیٔ طبع، تلاش پر مرکوز ہوتی ہے۔ تلاش، تجسّس، جستجو اور کچھ اور کی خواہشِ ناتمام تخلیق کار کو جینے کا حوصلہ دیتی ہے ـــــ دیدہ درونٔ بلند قامتوں، رمز شناسوں اور اونچی اڑان بھرنے والوں کی طویل فہرست میں کچھ ایسی شخصیتوں کے نام بھی ملتے ہیں جو اپنی ذات اور اپنی پہچان کے لئے ذاتی محنت، شخصی کاوشوں اور اپنی عمدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں۔ جن کی سوچ و فکر کی گرمی، تہذیبِ نظر کی پاکیزگی اور حُسنِ طبعیت کے پُر اثر نقوش نے دامانِ شعر و ادب کو عطر بیز کر دیا ہے ـــــ ایسی ہی فہرست میں ایک اہم نام فاطمہ تاج کا بھی شامل ہے۔

فاطمہ تاج نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں، لب کُشائی کی، بولنا سیکھا، رینگنا اور چلنا شروع کیا وہ ماحول علم پرور بھی تھا، فن گزیدہ بھی ـــــ روشن خیال بھی تھا، بنیاد پسند بھی۔ لیکن فطرت کی بلند قامتی نے فاطمہ کو بلند پروازی کے لئے اُکسایا، حوصلہ اور دامن کُشاں دونوں قسم کے حالات میں فاطمہ نے اپنے کو زندہ رکھا ـــــ تہذیب علم و فن نے شخصیت کے خد و خال کو نکھارا ـــــ ابتدائی دنیا جو پھول چُننے اور دامن چھڑانے کے معصوم جذبوں سے بے بہرہ تھی۔ فاطمہ کے فکر و خیال میں رنگ بھرنے لگی۔ کاغذ کے سینکڑوں پُرزے، لکھنے، مٹانے، سنبھال کر رکھنے اور چاک کرنے کے عمل نے راحت فزا کشمکش سے اپنی پہچان بڑھائی۔ ان میں کچھ پُرزوں کو تو ہوائیں لے اُڑیں اور کچھ پُرزے فنکار کے دامن سے لپٹے رہے۔ دامن سے لپٹے ہوئے پُرزوں کو ہوا لگنے کی خواہش موسم کی گرم

ہواؤں سے نظریں ملاتی ہوئی آگے بڑھتی رہی ــــ تازہ ہواؤں کی حیات افروز لہروں نے خیالات میں جولانی اور قلم میں روانی پیدا کر دی۔ قرطاس و قلم کا یہ رشتۂ دیرینہ اور مضبوط ہونے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے فیض رساں الہامی بشارتوں نے آبِ رواں کی طرح آئینہ صفت، پاک و شفاف تحریروں کو جنم دیا۔ وہ تحریریں جو شعر و ادب کی دنیا میں ان گنت رنگ کے پھول کھلانے کا مژدہ سنانے والی تھیں کبھی عیاں ہو کر اور کبھی نہاں رہ کر ظہور پذیر ہونے لگیں۔ اسی طرح دھوپ چھاؤں کے ماحول میں دن گزرتے گئے۔ منتشر تحریروں اور بالترتیب تخلیقات کے ذخیروں میں اضافہ ہوتا گیا۔ پھر نظر لگی اور نظروں کو چکا چوند کرنے والے حالات نے لہلہاتے ہوئے پودوں کی بالیدگی، کلیوں کے پھول بننے کے فطری عمل کو دشوار گزار مرحلوں کے حوالے کر دیا۔ پھر بھی فنکار کی ہمت نہیں ٹوٹی فنکار زندہ رہا۔ کل کا وہی پودا آج کا تناور درخت بننے کے لئے فضاؤں کے دوش پر اُڑ رہا ہے۔ موسم سازگار ہے۔ حالات موافق ہیں فطرت ساتھ دے رہی ہے۔ شوق و ذوق کی اس تازہ روی نے پُرپیچ راستوں کو بھی ہموار بنا دیا ہے۔ موسم باراں کی معطر فضا تلاشِ مُسلسل کی منزلوں سے روشناس کروا رہی ہے۔ ایسا منصب اُن ہی قلمکاروں کے حصّہ میں آتا ہے جن پر خدا ہمیشہ مہربان رہتا ہے۔ فاطمہ تاج پر بھی خدا مہربان ہے۔ ان کا شعری و ادبی سفر جاری ہے خوشبو کے سفر کی طرح۔

فاطمہ تاج محفلِ خواتین کی دین ہیں، محفلِ خواتین، شعر و ادب کے پیرہن تازہ کو آراستہ کرنے کا پہلا زینہ ہے۔ روزنامہ "سیاست" نے ایک مادرِ مہرباں کی طرح پھلنے پھولنے کا موقع دیا۔ مختلف موضوعات پر نمایاں طور پر تحریریں شائع ہوئیں۔ غزلوں کی اشاعت کے لئے بھی سیاست کا دامن ہمیشہ کشادہ رہا۔ دانشورانِ فکر و فن کی حوصلہ افزائی نے قلم کو طاقت بخشی، ذہن و فکر کو تازگی عطا کی۔ لکھنے اور سنانے

میں اعتماد پیدا ہو گیا۔ پھر وہ منتشر تحریریں جو مختلف پرزوں کی شکل میں محفوظ تھیں کتابی شکل اختیار کرنے لگیں۔ یہ تحریریں کبھی شعر کی صورت میں اور کبھی نثر کی شکل میں منظرِ عام پر آتی رہیں۔ چار کتابوں (اب کے برس۔ شاعری) امانت، (مضامین، خاکے وغیرہ) آس پاس (افسانے) دلاسا (طنز و مزاح) کے بعد پانچویں کتاب "خوشبوئے غزل" (شاعری) منظرِ عام پر آرہی ہے۔

فاطمہ تاج نے بھی بعض اہم قلمکاروں کی طرح اپنے لئے ایک الگ راہ بنالی ہے۔ تین برس میں پانچ کتابوں کی اشاعت، فاطمہ تاج کی شعر و ادب سے گہری وابستگی، جولانیٔ طبع اور مستقل مزاجی کی زندہ نشانی ہے فاطمہ تاج کی تیز روی یہ کہنا چاہتی ہے کہ "کل کس نے دیکھا ہے" ـــــ فاطمہ تاج نے جہاں ایک باصلاحیت ادیب کی حیثیت سے ادبی حلقوں میں اپنی مقبولیت کے بے شمار چراغ روشن کئے ہیں وہیں ایک باشعور شاعرہ کی حیثیت سے بھی اپنا اونچا مقام بنالیا ہے۔ فاطمہ کی زود گوئی چاہے وہ نثر میں ہو کہ شاعری میں اپنی مثال آپ ہے۔ برجستگی فاطمہ تاج کا ایک خاص وصف ہے۔ کوئی موضوع کیوں نہ ہو اُن کی دسترس سے باہر نہیں ہے ـــ ہر موضوع پر قلم برداشتہ لکھنے پر قادر ہیں۔ نثر کی روانی جہاں آبشاروں کے جھرنوں کی طرح صورت پذیر ہوتی ہے وہیں پُر اثر اور با معنی اشعار موتیوں کی لڑیوں کی طرح شعر و ادب کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہے ہیں۔

خوشحال گھرانے کی اس معزز خاتون نے اپنے فطری ذوق و شوق کی آبیاری کے لئے شعر و ادب کو اپنا رفیق بنالیا ہے۔ اپنا دوست بنالیا ہے اور ایسا دوست جس کے حسنِ سلوک نے خوشگوار اور پاکیزہ ماحول میں خوش اسلوبی سے جینے کا ہنر سکھایا۔ شعر و ادب کی بے ضرر، دل و دماغ کو ٹھنڈک پہنچانے والی مصروفیات نے گھر کے ماحول میں بھی شائستگی، شگفتگی اور تہذیبِ نظر کو فروغ دیا۔

فاطمہ تاج کی کامیاب ازدواجی زندگی نے پُرسکون ماحول کو جنم دیا ـــــ تعلیم یافتہ اور زیرِ تعلیم خوش مزاج، خوش خصال، خوش نظر، ذہین و باشعور

مشرقی تہذیب کے پروردہ، علم و تہذیب سے آراستہ لڑکے اور لڑکیوں نے ڈھیر ساری خوشیاں ماں باپ کے قدموں میں ڈال دی ہیں۔ گھر کے سلجھے ہوئے بہترین ماحول نے ہمیشہ تبسم ریز مسرتوں سے ہمکنار کیا۔ پلکیں بھیگنے نہیں دیں۔

فاطمہ تاج اپنی ساتھیوں میں بے حد مقبول ہیں۔ بہترین شاعرہ، ایک کامیاب ادیب کی حیثیت سے ہی نہیں، ایک اچھی دوست اور بامروت پرشم کی حیثیت سے بھی شہر کی بیشتر معزز خواتین سے فاطمہ تاج کی رسم و راہ ہے۔ سبھی فاطمہ کو پسند کرتی ہیں۔ فاطمہ کی سنجیدگی سے زیادہ بذلہ سنجی سے محظوظ ہوتی ہیں۔

فاطمہ تاج ایک منتظم مزاج، حوصلہ مند خاتون ہیں ـــــ محفلِ خواتین کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتی ہیں۔ محفلِ خواتین کی سرگرمیوں میں بہتر اضافہ کے لئے سرگرداں رہتی ہیں۔

فاطمہ تاج کی طبیعت میں جلد بازی بھی ہے اور ٹھہراؤ بھی لیکن اکثر مقامات پر جلد بازی مقررہ حدود سے بھی آگے نکل جاتی ہے ـــــ ہم کسں نے دیکھا ہے، کہتے ہوئے ہر مفوضہ کام کو بہ عجلت تمام سرانجام دینا چاہتی ہیں۔ انہیں محفلِ خواتین کی سرگرمیوں سے بے حد دلچسپی ہے۔ فاطمہ تاج کی شخصی دلچسپی کی وجہ سے بھی محفلِ خواتین میں کئی اراکین کا اضافہ ہوا ہے۔ مطمئن زندگی نے فاطمہ کو ادبی خدمات کرنے کا موقع فراہم کیا ـــــ علم و فن سے وابستگی نے سرگرمِ عمل رکھا۔

فاطمہ کے پُرسکون اور آسودہ حالات نے بھی کتابوں کی اشاعت کا شوق پیدا کیا ـــــ

"خوشبوئے غزل" فاطمہ تاج کا دوسرا مجموعۂ کلام ہے جس میں حمد، نعت، سلام کے علاوہ ۱۲۶ غزلیں شامل ہیں۔ کتاب کی ترتیب و تزئین خود فاطمہ نے کی ہے۔ فاطمہ کے کلام میں وہ تمام شعری خوبیاں موجود ہیں جو ایک با ذوق قاری کی تسکین

کا باعث بن سکتی ہیں۔ ہر مکتبِ خیال کا قاری فاطمہ کے کلام کو پسند کرے گا۔ فاطمہ تاج کے کلام میں زندگی کی روشن حقیقتیں ہیں، جو سماج کی بے راہ روی اور ظلم کے خلاف احتجاج کرنا، حق کے لئے آواز اُٹھانا اور پیاسوں کی پیاس بجھانے کے لئے دریا کی روانی کا خیر مقدم کرتی ہیں۔ چاہے وہ پھولوں کی رہگذر ہو کہ کانٹوں کی شاہراہ، فاطمہ کے ہاں دم لینے کا تصور نہیں ہے۔ مسلسل چلتے رہنا فاطمہ کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ "تلاشِ منزل"، فاطمہ کے فکر و خیال کا ایک ناگزیر عمل ہے" تلاش جستجو ایک مطمعِ نظر ہے۔ فاطمہ اپنے اس سفر میں پامردی، جرأت، حوصلہ اور مستقل مزاجی کے ساتھ قدم بڑھا رہی ہیں۔

میں نے "خوشبوئے غزل" کے اشعار اس لئے نوٹ نہیں کئے ہیں کہ یہ اشعار قارئین کے ذوقِ سلیم کی تسکین کے لئے اس کتاب میں موجود ہیں۔

ہمیشہ میری یہ خواہش رہے گی کہ فاطمہ تاج کی شہرت ارتقائی منازل طے کرتی رہے اور ان کا نام شعر و ادب کی دنیا میں ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے ——— خدا کرے کہ فاطمہ کے قدم کہیں نہ رکیں۔ علم و ادب کی یہ شمع یوں ہی جلتی رہے۔ بہتر سے بہتر کی خواہش زندہ رہے۔ ہر قدم کامرانی کی طرف بڑھے۔ سفر جاری رہے اس یقین کے ساتھ کہ ———

آبلہ پائی سے گھبرا کر نہ کر ترکِ سفر
پاؤں جب دہلیز پر ہونگے تو آنگن آئے گا
(نیّر)

"کہکشاں" ۵ ر اگسٹ ۱۹۹۴ء
ملے پلی - حیدرآباد ۱۰۰۰۰۱

صلاح الدین نیّر

خوشبوئے غزل کے ساز و آہنگ

غزل ـــــ جو اُردو شاعری کی آبرو ہے، دلِ مہجور کی پکار، جو حُسن کا نکھار ہے۔ زندگی کا خمار ہے۔ جو درد بھی ہے اور درماں بھی۔ زخم بھی ہے مرہم بھی۔ جس میں ساغر و پیمانہ کی مستی بھی ہے جس میں سوزِ درونِ کائنات بھی ہے۔ نیرنگیٔ خیال بھی ہے کیفیتِ جمال بھی۔

شاعر ـــ جو زندگی کا نقیب ہے، جو ہجومِ غم دل کے قریب ہے جو آتشِ عشق کا پیکر بھی ہے، جفا کا خوگر بھی ہے۔ بصیرت جس کا سرمایہ ہے۔ جو زندگی کی دلکشی اور بدصورتی کو، خوشی کے لُطف اور غم کی بے لبسی کو خونِ جگر سے سینچا ہے۔ غمِ جاناں اور غمِ دوراں کا مصوّر ہے جو حُسنِ فطرت کا رازداں ہے۔ جس کے سینے میں جذبے کی صداقت ہے جو سچائی کا ترجمان ہے، حُسن کا دلدادہ اور جستجو کا متلاشی ہے۔ زندگی کے نشیب و فراز کو حوصلہ مند آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اپنے قلم کو درد کی سیاہی میں ڈبوتا اور صفحۂ قرطاس پر جذبات کے گُل بوٹے سجانے لگتا ہے۔ اس صنفِ لطیف کو صنفِ نازک نے اپنا کر اسے ایک باوقار حسینہ بنا دیا ـــــ

فاطمہ تاج کا نام بھی ایسے ہی قلمکاروں کی فہرست میں آتا ہے جنہوں نے تخیّل کی پرواز کو بروئے کار لاکر اپنے اَن مٹ نقوش تاریخِ ادب میں رکھ دیئے ہیں۔

فاطمہ تاج سے میری پہلی ملاقات ان کی تیسری کتاب "امانت" (مضامین کا مجموعہ) کی رسمِ اجراء کے وقت ہوئی۔ ادبی و شعری اُفق پر یہ ایک نیا ستارہ تھا،

جو اپنی ضیاء پاشیوں سے محفلِ خواتین کو بھی منوّر کرنے لگا تھا۔ سچ ہی تو تھا بجلی کی سُرعت کے ساتھ آسمانِ ادب پر چھا جانے والی یہ خاتون بہت ہی کم عرصے میں اپنی ادبی کاوشوں کو تسلیم کروانے لگی۔

زیرِ نظر کتاب فاطمہ تاج کی غزلوں کا دوسرا مجموعہ ہے پہلے مجموعے "دُھوپ کے برس" کو ساتھ لئے وہ بہ بانگِ دُہل میدانِ شاعری میں اُتر پڑی ہے۔

فاطمہ کا مزاج شاعرانہ ہے۔ رنگِ تغزل ان کے ہاں موجود ہے۔ غزل کے کلاسیکی انداز کا بھی اُنھوں نے خیال رکھا ہے۔

محسوس ہوا تھا ترے قدموں کی صدا تھی
دروازہ جو کھولا تو فقط سرد ہوا تھی

زندگی سے فاطمہ تاج کو پیار ہے۔ وہ حیات کو نکھارنا اور سنوارنا بھی چاہتی ہیں۔ غمِ زندگی کے پیچ و خم کو وہ آراستہ بھی کرنا چاہتی ہیں۔ خارِ گلشن کو نکال پھینکنے سے زیادہ اُنہیں درد کی لذت میں سکون ہے۔ ؎

کانٹوں سے کیا شکوہ کریں ہم
اپنا دامن اپنا گلستاں

فاطمہ تاج کی شاعری میں رجائیت، کلاسیکیت، نغمگی، دلکشی سبھی کچھ موجود ہیں۔ وہ زندگی سے فرار نہیں چاہتیں، طوفان سے لڑنے کا عزم رکھتی ہیں۔ زندگی کا سفر وہ دلِ پُر امید اور عملِ پیہم سے طئے کرنا چاہتی ہیں۔ تلخیوں کو شیرینی میں سمیٹنے کا گُر اُنہیں آتا ہے۔

پتھر کی طرح روز تراشا گیا ہم کو
ہم درد کے احساس سے ہر روز ہی گزرے

اس احساسِ درد سے وہ تھکنا نہیں چاہتیں — اُنہیں اندازہ ہے کہ دلِ مغموم قلم کو تاثر بھی بخشتا ہے۔ گلاب کی پتیوں پر ٹھہری ہوئی شبنم کی نمی کو وہ محسوس کرتی ہیں۔ شفق کے بھیگے ہوئے سورج کی سُرخی کا اُنہیں احساس ہے۔ سیاہ بدلیوں کی اوٹ سے اُداس چاند کو اُنہوں نے دیکھا ہے۔

جل تھل زمین کی تشنگی کا بھی اندازہ ہے۔ لیلائے شب کی دراز زلفیں سنوارنے کا انہیں شوق ہے۔ چاندنی کے زرّیں تاروں کو چھونے کا ذوق بھی ہے۔ دشوار گذار راستوں کے سفر میں انہیں لذت ملتی ہے، وہ درد کو درماں سمجھتی ہیں۔ ؎

رہبر کی ضرورت نہیں یہ ایسا سفر ہے
منزل کا پتہ دیتے ہیں کچھ نقشِ قدم بھی

کون کہتا ہے تشنہ لب ہوں میں
میری آنکھوں میں ایک دریا ہے

پھول کھلتے ہیں کتنی قبروں پر
خاک میں بھی حیات باقی ہے

سسکیاں ضم ہوئیں ترنم میں
میرے شعروں میں ڈھل گئے آنسو

انہیں بہار کی خواہش، ہمیں خزاں ہے عزیز
یہ اپنی اپنی طبیعت ہے کیا کیا جائے

زندگی کی تلخ سچائیوں پر فاطمہ تاج کی گرفت مضبوط ہے۔ وہ صداقت کو قبول کرتی ہیں۔ ؎

یہ زندگی فریب، تبسم بھی ہے فریب
یہ کیسے رنگ ہو گئے لیل و نہار کے

بہت ہی قلیل عرصے میں فاطمہ تاج نے ادب کے ہر گوشے میں جوہر دکھائے۔ ان کی شخصیت اس اعتبار سے تین حصوں میں منقسم ہے۔ بحیثیت شاعرہ، افسانہ نگار

چمنِ ادب کی آبیاری وہ بڑی سنجیدہ ہیں ـــــــ
بے ساختگی، برجستگی اور روانی ان کی شاعری کا خاص وصف ہے۔ فاطمہ تاج بند کمروں میں بوجھل سانسوں کی قائل نہیں۔ وہ ذہن کے دریچوں کو کھلا رکھ کر خوشبودار ہوا کے جھونکوں کی متلاشی ہیں۔ وہ اپنے ماحول کا گہرائی سے جائزہ بھی لیتی ہے۔ ـــ

سوال یہ کسی معمارِ شہر سے پوچھو
بنائے کتنے مکاں اور گرا دیئے کتنے

غمِ دوراں بھی ان کے پاس ملتا ہے ـــــــ

تمہیں بتاؤ کہ کیوں انتشار اتنا ہے
تمھارے شہر کا موسم اگر خراب نہ تھا

○

ہر گوشۂ گلشن سے دھواں اٹھنے لگا ہے
یہ آگ خدا جانے کہاں کیسے لگی ہے

فاطمہ تاج کے اشعار میں آمد ہے آورد نہیں۔ شادابی ہے تھکن نہیں۔ وہ سفرِ مسلسل کی شیدائی ہیں۔ خوب سے خوب تر کی انہیں جستجو ہے۔ ان کے رجحان میں استقلال ہے۔ جذباتِ انسانی کا انہوں نے بغور مشاہدہ کیا ہے۔

ان کی شاعری زندگی کے تپتے صحرا میں آبلہ پائی کا تجربہ ہے جس میں مایوسیوں اور اداسیوں کی ہولناکیاں نہیں ہیں۔ ہمت، حوصلے اور امید کی تابناکیاں ہیں۔ سمندر کی تہہ میں چھپے ہوئے اضطراب کو وہ جانتی ہیں۔ طوفان کے بعد آسمان کا خوفناک منظر انہوں نے دیکھا ہے چاندنی رات میں پھولوں کی سرگوشیاں سنی ہیں۔ زندانوں میں سلاسل کے شور سے وہ واقف ہیں۔ اندھیروں سے نکل کر اجالوں میں آنے کی تمنا بھی ان کے دل میں ہے۔ انہوں نے تنگیٔ حالات کا شکوہ نہیں کیا۔

تیس سال تک خاموش رہنے کے باوجود افکار و خیالات کی ایک دنیا ان کے پاس موجود تھی اور پھر جب دریائے ادب میں کشتی چھوڑ دی تو قلم کو پتوار بنالیا۔

فاطمہ کی تحریروں میں خلوص ہے اور یہی ان کی طبعیت کا خاصہ بھی ہے۔ ان کا دل وسعت رکھتا ہے شائد اسی لئے ان کے ملنے والوں کا دائرہ وسیع ہے۔ خوش مزاجی کے ساتھ خوش گفتاری سے وہ سب کا دل موہ لیتی ہیں۔ محفلِ خواتین کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔ پردہ دار اہلِ قلم خواتین کو محفلِ خواتین سے متعارف کروانے کا اہم کام بھی اُنہوں نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ خواتین کے مشاعروں میں نظامت کے فرائض بھی بحُسن و خوبی انجام دیتی ہیں۔

میرا اور فاطمہ تاج کے مراسم دیرینہ تو نہیں مگر مضبوط اور مستحکم ہیں، پارینہ نہیں پائیدار ہیں۔ فاطمہ تاج کی دبی ہوئی سرگوشیوں اور کُھلے ہوئے قہقہوں کے درمیان، میں گزر چکی ہوں۔ ان کی مخلصانہ طبعیت کے جوہر سب پر عیاں ہیں۔ فاطمہ کی ہر جنبش قلم سے مجھے آگاہی ہے۔ ہونٹوں پر پھیلی ہوئی مسکراہٹ اور آنکھوں میں تیرتی ہوئی نمی میری ہمنوا ہے۔ انہیں دردِ دل بانٹنے کا سلیقہ بھی ہے اور دوسروں کے لئے بھی انہوں نے دامنِ دل پھیلا رکھا ہے۔

فاطمہ تاج سے دنیائے ادب کو بڑی اُمیدیں وابستہ ہیں۔ اللہ ان کے استقلال کو قائم رکھے، قلم کو زورِ عطا کرے۔ ہندوستان میں "ممتاز کے تاج" کو جو اہمیت حاصل ہے وہی ادب میں فاطمہ تاج کو ملے، یہی میری آرزو ہے اور یہی میری دُعا ہے۔

۲۰ اگسٹ ۱۹۹۴ء

فریدہ زین
ایم۔اے (عثمانیہ)

"کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کیلئے"

شاعری میں شام، آنسو کی طرح چشمِ فلک سے ڈھل کر زمین کے دامن میں جذب ہوجاتی ہے۔ اُفق کے آتشیں نظارے گہرے سرمئی نقابوں میں منہ چھپا لیتے ہیں۔ ڈوبتے لمحوں میں خیالوں کے ساحل پر شاعر لوگ لہروں کا نظارہ کرتے رہتے ہیں، جہاں معانی کا ہر لمحہ حسین و رنگین ہوتا ہے، ہوا کا ہر جھونکا خوشبو دُلہ کے لمس کا لمس لے کر آتا ہے کوئی سرپھری موج غور و فکر کے سمندر سے موتیوں کے نذرانے لے کر قدم بوس ہوجاتی ہے ..... اور ..... پھر ..... غزلوں سے دامنِ قرطاس بھرنے لگتا ہے ..... بھرتا ہی چلا جاتا ہے۔
آس پاس کے منتظر ذہنوں کے کنوؤں سے اُبھر آتے ہیں غزل رنگین و معطر پیرہن میں رقصاں ہونے لگتی ہے سازِ حیات کی لَو تیز تر ہوجاتی ہے ..... اور پھر صبح کی نرم کرنوں کا اُجالا رفتہ رفتہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ روشنی کی جھالر آنکھوں کو چندھیانے لگتا ہے۔ ہمیں ایسے میں اپنے دل کی دھڑکن صاف سنائی دیتی ہے اور ذرا سی دیر میں "غزل" وقوع پذیر ہوجاتی ہے جیسے کہ "غزل" کوئی واقعہ ہو، خوشگوار حادثہ ہو جس سے دل بار بار گزرنے کو چاہے ..... اور میں نے اپنے دل کی بات ہمیشہ ہی مانی ہے اس کی بے ترتیب دھڑکنوں نے ہمیشہ اپنائیت کا احساس دلایا ہے میں ہر جنبشِ دل کا احترام کرتی ہوں

تجربات کی سچائیاں، تصورات کی پرچھائیاں صحرائے زندگی کے سفر میں بگولوں کی طرح ساتھ ہیں۔ لفظوں کے بھنور جب شعروں میں ڈھلتے ہیں تو پڑھتے وقت قارئین کو احساس ہی نہیں ہوتا کہ یہ بھنور ان کی ذات میں جذب ہو چکے ہیں۔ خنجر کی طرح رگِ جاں میں پیوست ہو چکے ہیں اور ...... یہ لفظوں کے بھنور دل و جاں میں وہ طوفان اٹھاتے ہیں جن کی موجوں کا اضطراب ناخدا کی طرح سکون کے ساحل پر قارئین کو لے آتا ہے پڑھنے والوں کو وقت کا احساس ذرا نہیں ہوتا وہ شعروں کے حصار میں کہانیاں پڑھتے رہتے ہیں انہیں کئی داستانیں اپنی جیسی لگتی ہیں۔ کئی مانوس چہرے شعروں کے آئینہ میں نظر آتے ہیں ——

میں زندگی کے طویل سفر کے بعد بھی تنہائیوں کے حصار سے نکل نہ سکی، اپنے وجود کا مطلب بھی سمجھ میں نہ آسکا لیکن شعر و ادب کی دنیا میں اپنے نام کو روشن دیکھنے کی تمنّا دل میں بدستور جگمگاتی رہی، مجھ جیسے لوگ چلتے ہوئے تھک بھی جائیں تو کیا ان کے قلم کا تحریری سفر کبھی ختم نہیں ہوتا۔

قارئین کو اس شعری مجموعہ میں جہاں فطری شوخیوں کے شادابِ گلستانوں سے کئی اشعار مہکتے نظر آئیں گے وہیں کتنی ہی شاخوں پر نوک دار کانٹے زندگی کی صداقت کا احساس بھی دلائیں گے وہ صداقتیں جن کا نام غم ہے، درد ہے، خلش ہے، محرومی ہے، تنہائی اور حسرت بھی ......!

ہر پتھر سے آئینہ نہیں بنایا جاتا۔ آئینہ بنانے کے لئے بھی خاص پتھر چاہیئے زندگی کی سچائیوں کو سمجھنے کے لئے بھی خاص ذہن چاہیئے۔ شاعر، مفکر، ادیب، دانشور دنیا کو بالکل الگ انداز میں دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں عام آدمی کا ذہن ان کے زاویۂ فکر سے مطابقت نہیں رکھتا۔
شعر و ادب سے میری وابستگی بچپن سے ہے اور یہی میرا محبوب مشغلہ

ہے جو اب جنون کی حد میں داخل ہو چکا ہے۔۔۔۔

گھریلو ذمہ داریاں تو خواتین کی ذات کا حصہ ہوتی ہیں لیکن شوقِ ادب عام نہیں، تحریر، احساس کی ترجمانی کرتی ہے، تشکیبائی کی حد جہاں ختم ہوتی ہے وہیں سے اظہار کا راستہ شروع ہوتا ہے۔۔۔۔

اُردو زبان مجھے زندگی کی طرح عزیز ہے دیکھئے نا، میں نے بھی کچھ چراغ جلانے کی کوشش کی ہے۔ کبھی نثر میں، کبھی شاعری میں۔۔۔! ویسے شاعری ماحول اور کیفیات کے اظہار کا بہترین وسیلہ ہے۔ میں نے بھی اس انداز کو اپناتے ہوئے کہا ہے ناکہ ؎

دیوانے ہی ٹکراتے نہیں بام قفس سے
اُڑنے کے لئے ہم بھی تو پَر تول رہے ہیں

ادبی دنیا کے ماحول کو سمجھنے کی تربیت مجھے نیّر بھائی نے بڑی توجہ سے دی ہے۔ انہوں نے یہ سمجھایا ہے کہ "شہرت کے پیچھے مت بھاگو بلکہ شہرت کو اپنا تعاقب کرنے دو۔" بقول اُن کے شاعروں، ادیبوں کے لئے شہرت دراصل ایک امتحان ہے۔ قریب رہنے والے دُور ہو جاتے ہیں اور دور رہنے والے قریب ہو جاتے ہیں لیکن اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لئے ہم کو ثابت قدمی کے ساتھ ان کٹھن راہوں پر اپنا ادبی سفر محتاط روی سے کرنا چاہیئے اسی سے عزت ملتی ہے قدر ہوتی ہے۔ اور یہ تو میں نے بھی محسوس کیا ہے کہ ایک قدم پھولوں کے ڈھیر پر ہم رکھتے ہیں تو دوسرا قدم خود بخود کانٹوں کے ڈھیر پر جا پڑتا ہے۔ لیکن میرے سفر کا طریقہ یہ ہے کہ یا تو سامنے پڑے ہوئے کانٹے ہٹا کر پاؤں آگے بڑھاتی ہوں یا پھر کانٹوں کو اس طرح روند دیتی ہوں کہ ٹوٹ کر تہس نہس ہو جاتے ہیں، پاؤں زخمی ہو جائیں تو کوئی بات نہیں پیچھے آنے والوں کا تو راستہ صاف رہے گا نا!

نیّر بھائی (صلاح الدین نیّر) نے اپنے قلم سے میرے بارے میں جو کچھ بھی لکھا ہے یقیناً وہ میرے لئے اعزاز ہے۔ چاہتی ہوں کہ میری تحریریں

خوب سے خوب تر ہوں۔ خواہشوں کے اُفق پر تو کنارا نظر تو آتا ہے لیکن ملتا نہیں........ یہی حال میرے شوقِ ادب کا ہے اور اس "خوش سلیقہ غزل" کو میں خوشگوار آغاز سمجھتی ہوں، حاصل نہیں۔

"محفل خواتین" میں آتے ہی میں نے بڑی ہمت وجرأت سے اور بہت تیزی سے اپنا راستہ بنانا شروع کیا ویسے نیّر بھائی کا بھی کہنا ہے کہ میں "عجلت پسند ہوں" (ویسے یہ بات میرے گھر والے بھی کہتے ہیں) لیکن یہ بات پھر بھی کوئی نہیں سمجھا کہ میں نے اپنے شوق کی تکمیل کے لئے تیس سال انتظار کیا ہے۔ خلاؤں میں کائنات دیکھی ہے۔ آسمانوں پر تصوّر کے قلم سے بہت کچھ لکھا ہے، وہ تحریر جو خلاء سے آسمان پر لکھی جائے اُسے زمین پر لانے اور قرطاس پر بکھیرنے میں اتنا وقت تو لگتا ہی ہے نا؟ ؎

ہزاروں پھول کھلے ہیں ہمارے دامن میں
یہی فریب نظارا ہے اور کچھ بھی نہیں

اس کتاب کا انتساب میں نے اپنے شوہر حبیب احمد بافقیہ کے نام کیا ہے۔ اُن کے خاموش تعاون کی شکر گزار ہوں کہ گھریلو ذمہ داریوں میں اگر کہیں میری کوتاہی نظر آئے تب بھی مجھ سے "تغافل کا گلہ" نہیں کرتے کیونکہ جب وہ دیکھ لیتے ہیں کہ میں لکھنے بیٹھی ہوں تو میرے کام میں مداخلت نہیں کرتے بلکہ میرے اس شوق کو "ضرورتِ زندگی" میں شامل سمجھ کر مجھے باعزت بری کرتے رہتے ہیں.........

آدابِ تحریر کا تقاضہ ہے کہ اپنے رہنما اور استاد نیّر بھائی کے مخلصانہ وبے لوث تعاون کا بھی شکریہ ادا کروں۔ حسبِ روایت اِس کتاب کی اشاعت کا سہرا بھی ان ہی کے سر ہے۔

اور عزیز ترین دوست فریدہ زین کا شکریہ ادا کرنا بھی مجھ پر فرض ہے نا! ______ خوش نویس جناب تشفیع اقبال صاحب

کا اور جناب نور محمد صاحب مالک اعجاز پریس کی ممنون ہوں کہ جن کا بھرپور تعاون مجھے حاصل ہے اور آئندہ بھی انشاءاللہ رہے گا.......

اُردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کی جزوی اعانت کیلئے بھی شکر گزار ہوں۔

اب کے سفر میں تاج یہی سوچتے رہے
قدموں کو منزلوں کے نشاں دے گیا ہے کون

۱۱ر اگست ۱۹۹۴ء

فاطمہ تاج

دعا

مولا تو صداقت کا طلب گار بنا دے
رنجیدہ دلوں کا مجھے غمخوار بنا دے

دنیا کی جفاؤں کا گلہ کچھ بھی نہیں ہے
تو مجھ کو وفاداروں کا سردار بنا دے

یارب! تری رحمت سے میں مایوس نہیں ہوں
ہے میری تمنا مجھے شہکار بنا دے

جلتے ہیں کئی لوگ یہاں دھوپ میں غم کی
سائے کے لئے تو مجھے دیوار بنا دے

اب دل نہیں بہلاتے یہ دنیا کے نظارے
تو دل کو مرے گوشۂ انوار بنا دے

ایماں کا اجالا ہو ہر اک تارِ نفس میں
تو تاج کو بھی مولا ضیاء بار بنا دے



نعت شریف



بڑھ گئے ہیں کس قدر ظلم و ستم یا مصطفیٰ
مشکلیں ہی مشکلیں ہیں ہر قدم یا مصطفیٰ

حالِ دل کا میں کسی بھی چارہ گر سے کیا کہوں
دیکھ لیجے آپ میری چشمِ نم یا مصطفیٰ

آپ ہی میری دوا ہیں، آپ ہی میری شفا
بن گئے ہیں زخمِ دل رنج و الم یا مصطفیٰ

پاؤں میرے کانپتے ہیں، کچھ نظر آتا نہیں
کس طرح ہوگا سفر، سوئے حرم یا مصطفیٰ

میں گنہ گاروں کی صف میں کب تلک بیٹھا رہوں
آپ مجھ پر بھی کریں نظرِ کرم یا مصطفیٰ

چھاؤں کچھ تسکینِ دل کی کیجئے مجھ کو عطا
چھا گئے ہیں زندگی پر غم ہی غم یا مصطفیٰ

خاکِ طیبہ سے ہے نسبت میرے قدموں کو آج
یادِ طیبہ آرہی ہے دم بہ دم یا مصطفیٰ



نعت شریف

ٹوٹے ہوئے دلوں کے غمخوار آپؐ ہی ہیں
دونوں جہاں کے آقا، سردار آپؐ ہی ہیں

کیا لب کشائی ہوگی، روزِ حساب ہم سے
ہم حرفِ آرزو ہیں، اظہار آپؐ ہی ہیں

طیبہ کا ہو سفر یا مکّہ کی رہگذر ہو
اپنے تو کارواں کے سالار آپؐ ہی ہیں

احمدؐ کے نام ہی سے سانسیں مہک رہی ہیں
دونوں جہاں میں یوں بھی گلزار آپؐ ہی ہیں

اِک آپؐ کی بدولت دُنیا کو ہم نے جانا
ظلمت میں اِس جہاں کی انوار آپؐ ہی ہیں

کوئی نہ چارہ گر ہے کوئی نہ راہبر ہے
اپنے لئے تو سب کچھ سرکار آپؐ ہی ہیں

کس طرح ہم رہیں گے بے خانماں کی صورت
جب تاجؔ کے یہاں پر مختار آپؐ ہی ہیں



نعت شریف

روزِ ازل سے آقاؐ عالی مقام تمؐ ہو
خیرالبشرؐ ہو تمؐ ہی، خیرالانامؐ تمؐ ہو

محبوبِ کبریاؐ ہو، سردارِ دو جہاں کے
بھیجا خدا نے جس کو اپنا سلام تمؐ ہو

ایماں سے پہلے دنیا شعلوں میں جل رہی تھی
ٹھنڈی ہوا سا تسکین ہر دم پیام تمؐ ہو

ہے چاند ٹکڑے ٹکڑے ٹھہرے ہوئے ہیں بادل
ابرِ کرم ہو تمؐ ہی، ماہِ تمام تمؐ ہو

ہے نور سے تمہارےؐ روشن یہ ساری دنیا
حسنِ عمل ہو تمؐ ہی، حسنِ نظام تمؐ ہو

نسبت ہے تاج کو بھی دو جہاں میں تمؐ سے
دونوں جہاں میں آقاؐ اعلیٰ مقام تمؐ ہو



نعت شریف



ہم نے خدا کو جانا فیضانِ مصطفےٰؐ سے
سرشار ہم ہوئے ہیں احسانِ مصطفےٰؐ سے

نامِ نبیؐ سے اب تک پلکوں پہ ہیں ستارے
دل میں بھی روشنی ہے ارمانِ مصطفےٰؐ سے

دنیا میں سُرخرو ہیں، عقبیٰ میں بھی رہیں گے
ملتا ہے فیض ہم کو عرفانِ مصطفےٰؐ سے

نورِ محمدیؐ سے ہیں جان و دل منوّر!
دونوں جہاں ہیں روشن ایمانِ مصطفےٰؐ سے

پہلے تو اس جہاں میں اتنے اُجالے کب تھے
پھیلا ہے یہ اُجالا ایوانِ مصطفےٰؐ سے

اے تاجؔ یہ دُعا ہے ہم عاصیوں کی ہر دم
لپٹے رہیں ہمیشہ، دامانِ مصطفےٰؐ سے



نعت شریف

کبھی یہ نہ کہنا ، ہمارے تمہارے
محمدؐ تو ہیں ساری دنیا کے پیارے

انہیں کی ہدایت سے روشن ہے دنیا
انہیں کی تو خاطر سے بنے چاند تارے

مدینے کی گلیاں وہ مکہ کی راہیں
مری چشم تر میں ہیں سب وہ نظارے

یہ مانا کہ طوفانِ غم کے اٹھے ہیں
مجھے یہ یقیں ہے ملیں گے کنارے

نگاہِ نبیؐ ہے نگہبان میری
ڈبوئیں گے کیسے حوادث کے دھارے

کسی کا بھی احسان مجھ پر نہیں ہے
مری زندگی ہے نبیؐ کے سہارے

وہی حاصلِ زندگانی ہیں اے تاجؔ
مدینے میں دن ہم نے جتنے گزارے



سلام



کب تک رہوں میں یونہی تنہا سلام لیجے
دستِ طلب ہے میرا، میرا سلام لیجے

برباد گر نہیں ہوں آباد بھی نہیں ہوں
نظرِ کرم ہو مجھ پر، آقا سلام لیجے

زخمی ہوں، مضطرب ہوں، بیمار ہو گئی ہوں
اب اے مرے محمدؐ، لِللہ سلام لیجے

عصیاں میں ڈوبے ہیں صبح و شام میرے
بہرِ تسلّی اب تو، شاہا سلام لیجے

رحمت نواز آقا، اے دو جہاں کے سرورؐ
بکھری ہوئی ہے میری دنیا سلام لیجے

ہیں آپؐ آسرا بھی، تسکیں کا سلسلہ بھی
کیوں تاج پھر ہے تنہا، اُس کا سلام لیجے



پھر انقلابِ شام و سحر میرے ساتھ ہے
حسنِ شعور، فکر و نظر میرے ساتھ ہے

راہِ حیات میں ابھی تنہا نہیں ہوں میں
کوئی نہیں تو گردِ سفر میرے ساتھ ہے

کچھ بھی ہو فصلِ گل میں، میں محروم تو نہیں
دامن نہیں تو دیدۂ تر میرے ساتھ ہے

مانا گزر چکے ہیں مسرت کے کارواں
اب تک غمِ حیات مگر میرے ساتھ ہے

سب لوگ ساتھ ساتھ ہی رہتے تو ہیں مگر
تنہائیوں کا اب بھی اثر میرے ساتھ ہے

دیتا ہے اب بھی چھاؤں کسی کا مجھے خیال
جیسے کہ سایہ دار شجر میرے ساتھ ہے

اُس کو گمان تاج کہ میں آئینہ نہیں
مجھ کو یقین، دستِ ہنر میرے ساتھ ہے





ہر لمحہ سُلگتے ہوئے منظر کی طرح ہے
آئینہ مرے ہاتھ میں پتھر کی طرح ہے

ماضی کے وہ نایاب گہر پاس ہیں میرے
اے دوست مرا دل بھی سمندر کی طرح ہے

یہ بات الگ ہے کہ کوئی چھو نہیں سکتا
سایہ تو مرا آج بھی پیکر کی طرح ہے

اک پل میں بدل جاتا ہے صدیوں کی طرح سے
انداز ترا میرے مقدر کی طرح ہے

ہونٹوں پہ تبسم ہے تو آنکھوں میں اُجالے
اک یاد مگر سینے میں نشتر کی طرح ہے

اے تاجؔ عجب ہے ترا اندازِ تکلّم
کچھ لوگ یہ کہتے ہیں سخنور کی طرح ہے





آئینہ نہ تھے پھر بھی یہاں ٹوٹ کے بکھرے
ہم کاش کہ فنکار کے ہاتھوں میں نہ ہوتے

پتھر کی طرح روز تراشا گیا ہم کو
ہم درد کے احساس سے ہر روز ہی گزرے

شیشے کی طرح جب کوئی صورت نظر آئی
مانوس لگے ہم کو بھی کچھ اجنبی چہرے

دیکھا جو ہمیں سارے مسیحا ہوئے گم صُم
ہونٹوں پہ تبسّم تھا مگر زخم تھے گہرے

کچھ لوگ نگینوں کی طرح دل میں رہے تھے
جب خواب رہا کرتے تھے آنکھوں میں سنہرے

شمشیر بہ کف رہ کے بھی کچھ کہہ نہ سکے ہم
سر پہ تو رہا تاج، رہے ہونٹوں پہ پہرے





اپنی ہی طرح مجھ کو اے مہرباں بنادے
آنکھوں کو میری، اپنے دل کی زباں بنادے

مانا فضائے گلشن اب تک بھی آتشیں ہے
تنکوں سے بھیگا بھیگا اک آشیاں بنادے

ملبوں کے شہر کا تو معمار ہو گیا ہے
بے خانماں ہوں کب سے میرا مکاں بنادے

راہِ حیات میں کچھ حاصل تو ہو سفر کا
صحرائے دل کو میرے اب گلستاں بنادے

افسانہ میرے دل کا پیشِ نظر ہے تیرے
چاہے خموش ہو جا، یا داستاں بنادے

دُنیائے دل ہے ویراں، ماحول منتشر ہے
اے کاتبِ مقدر! پھر اک جہاں بنادے

ہے تاج! ضبطِ غم کی عظمت کا یہ تقاضہ
اب آہِ سوزِ غم کو رنگیں بیاں بنادے





خاموشیوں کو میری زباں دے گیا ہے کون
مدت کے بعد درسِ فغاں دے گیا ہے کون

کیا جانے کون پلکیں بھگو کر گیا مری
اِس سوچ میں ہوں، دردِ نہاں دے گیا ہے کون

کس کو خبر کہ شوق کی ہے انتہا کہاں
اِس انبساطِ شوق میں جاں دے گیا ہے کون

کس کس سے پوچھیں کون یہ بتلائے گا ہمیں
ترکش کے تیر لے کے کماں دے گیا ہے کون

دیوار و در کی بات نہیں سائباں بھی ہے
خانہ بدوش، ہم تھے مکاں دے گیا ہے کون

اب کے سفر میں تا آج یہی سوچتے رہے
قدموں کو منزلوں کے نشاں دے گیا ہے کون





عروجِ درد کی منزل ہے کیا کیا جائے
یہی تو زیست کا حاصل ہے کیا کیا جائے

ہمیں تو سانسوں کی اُلجھن سے دے گیا ہے نجات
یہ اور بات وہ قاتل ہے کیا کیا جائے

ہمارے دل کے ہے زخموں سے روشنی کتنی
نظارۂ مہ کامل ہے کیا کیا جائے

تڑپ کے آئی ہیں موجیں بھی آرزو کی وہیں
جہاں غموں کا بھی ساحل ہے کیا کیا جائے

تمام عمر دیا ہم نے زندگی کو فریب
اب ایک سانس بھی مشکل ہے کیا کیا جائے

ہمارے پاس نہیں کچھ بھی تاجؔ اِس کے سوا
خلوص، پیار، وفا، دل ہے کیا کیا جائے





سانس لینا بھی مرا ایک سزا ہے شائد
زندگی تیری یہ مخصوص ادا ہے شائد

بجھ گیئں شمعیں ہر اک سمت دھواں ہے اب بھی
کوئی پروانہ سرِ شام جلا ہے شائد

باغباں پھولوں کو شاخوں سے جدا کرتا ہے
موسمِ گل میں وہ دیوانہ ہوا ہے شائد

تجربہ تو نہیں اندازہ مرا ہے لیکن
زندگی جبر نہیں جور و جفا ہے شائد

کیا خبر تھی کہ اندھیروں سے گزرنا ہوگا
ہم یہ سمجھے تھے کہ راہوں میں دیا ہے شائد

اب تو کانٹوں پہ بھی پھولوں کا گماں ہوتا ہے
اس نے گلشن میں مرا نام لیا ہے شائد

تاج کچھ اشکِ تمنا ہیں مری آنکھوں میں
آپ کے دل میں وہی دردِ وفا ہے شائد





میں خود بھی ایک درد کی دنیا ہوں کیا کروں
یعنی کہ اک فریبِ تمنّا ہوں کیا کروں

شبنم مزاج بن کے ہوں گلشن کی آبرو
بادِ صبا کا میں بھی وسیلہ ہوں کیا کروں

ویسے تو رہبروں کی بڑی بھیڑ ہے یہاں
یہ اور بات میں ہی سہارا ہوں کیا کروں

مانا کہ تُو نے سنگ تراشے ہیں بے شمار
میں بھی تو تیرے ہاتھ میں شیشہ ہوں کیا کروں

ٹکرانا مجھ کو پڑتا ہے ساحل سے بار بار
میں بھی غمِ حیات کا دریا ہوں کیا کروں

کہتا ہے مجھ سے وقت کہ اے تاجؔ تیز چل
میں بھی تو تیرے ساتھ ہی چلتا ہوں کیا کروں





آج اِس طرح کسی کی مجھے یاد آئی ہے
میری تنہائی میں بھی انجمن آرائی ہے

آپ آئے ہیں مرے گھر میں تو ٹھہرے رہیئے
لوگ سمجھیں گے مرے گھر میں بہار آئی ہے

چند لمحوں کے لئے بدلے تھے حالات مرے
پھر وہی درد، وہی غم، وہی تنہائی ہے

یہ الگ بات کہ مجھ کو ہی ضرورت نہ رہی
غمِ جاناں تو مرا آج بھی شیدائی ہے

آپ کو بھی تو مرے درد کا اندازہ نہیں
یہ مرا ضبط ہے یہ میری شکیبائی ہے

تہمتِ ترکِ وفا بھی تو ہے اعزاز مجھے
کون کہتا ہے محبت میں سزا پائی ہے

نام لے کر میں اُسے کیسے پکاروں اے تاجؔ
زندگی سے مری کب اِتنی شناسائی ہے





سب امتیازِ دیر و حرم چھوڑ جائیں گے
اب ہم بھی اپنے نقشِ قدم چھوڑ جائیں گے

لکھنی پڑیگی کیفیتِ دل تمام عمر
ہاتھوں میں ہم تمھارے قلم چھوڑ جائیں گے

محرومیوں سے ہم کو جو فرصت کبھی ملے
تم دیکھنا کہ تم کو بھی ہم چھوڑ جائیں گے

فصلِ بہار آکے کبھی بھی نہ جائیگی
جب ہم چمن میں دیدۂ نم چھوڑ جائیں گے

جس وقت ہم کو ضبطِ الم کا یقین ہو
جتنے ملے ہیں آپ سے غم چھوڑ جائیں گے

اے تاج اپنے زخمِ تمنّا کے باوجود
ہم گیسوئے حیات میں خم چھوڑ جائیں گے





میں نے لکھ رکھی تھی کتابِ دل، کبھی تم نے اس کو پڑھا نہیں
مری زندگی ہے ورق ورق، مجھے اب کسی سے گلہ نہیں

کوئی مل گیا سرِ رہگذر، وہ تو رہنما تھا نہ ہمسفر!
جسے ہم نے ڈھونڈا تھا عمر بھر، کبھی وہ تو ہم کو ملا نہیں

کوئی خضر ہے کوئی خواب ہے، کہیں لمحہ لمحہ سراب ہے
کئی سنگِ میل تھے راہ میں، کہیں منزلوں کا پتہ نہیں

مجھے خوف تھا آتشِ گل سے یہ، وہ جلا نہ دے مرے ہاتھ کو
تھی جھکی ہوئی سی وہ شاخِ گل، مرا ہاتھ پھر بھی بڑھا نہیں

ہیں ورق بھی سادہ زمین کے، یہ فلک کے صفحے بھی صاف ہیں
کہیں رنگ سے کہیں نور سے، مرا نام تم نے لکھا نہیں

وہی رفعتیں وہی وسعتیں، وہی خواہشیں، وہی جراتیں
جو بھی پر تھے میرے بکھر گئے، جو قفس تھا وہ بھی رہا نہیں

سُن اے تاجؔ تو بھی یہ واقعہ، وہ تپش تھی غم کی کہ الاماں
مرے ہاتھ میں تھا جو آئینہ، وہ پگھل گیا تھا گرا نہیں





راز داں ہو گئے ہیں کچھ لمحے
مہرباں ہو گئے ہیں یہ کچھ لمحے

زندگی! ایک تیرے آنے تک
کیوں گراں ہو گئے ہیں یہ کچھ لمحے

جانے کون آج آنے والا ہے
شادماں ہو گئے ہیں یہ کچھ لمحے

زندگی جانے کیسے گزرے گی
جاوداں ہو گئے ہیں کچھ لمحے

حالِ دل ہم کبھی نہ کہہ پائے
ترجماں ہو گئے ہیں یہ کچھ لمحے

مختصر یہ کبھی نہیں ہوں گے
داستاں ہو گئے ہیں یہ کچھ لمحے

تاجؔ اب کس کا اعتبار کروں
بدگماں ہو گئے ہیں یہ کچھ لمحے



اے گلشنِ حیات! سنورنا ضرور ہے
دورِ خزاں سے پہلے گزرنا ضرور ہے

اِس موسمِ بہار میں رکھنا ہے یہ بھی یاد
کلیوں کو پھول بن کے بکھرنا ضرور ہے

اے چارہ ساز! مرہم و نشتر سے کام لے
کچھ بھی ہو دل کے زخموں کو بھرنا ضرور ہے

موجیں ہوں تند، یا کہ شکستہ ہوں کشتیاں
کرنا ہے دریا پار، اُترنا ضرور ہے

اب چہرۂ حیات پہ مانا کہ گرد ہے
لیکن اِس آئینہ کا نکھرنا ضرور ہے

آساں نہیں ہیں ترکِ تمنّا کی کوششیں
مشکل ہے کام پھر بھی یہ کرنا ضرور ہے

سب کو عزیز پھر بھی ہے اے تاجؔ زندگی
ہر شخص جانتا ہے کہ مرنا ضرور ہے





اس طرح انقلاب آوے ہے
جیسے کوئی عذاب آوے ہے

دیکھ کر میری طاقتِ پرواز
آسماں کو حجاب آوے ہے

ہاتھ میں پھر ہے میرے آئینہ
زندگی بے نقاب آوے ہے

منزلوں کا پتہ نہیں ملتا
ہر قدم پر سراب آوے ہے

کشتیاں غرق ہو گئیں کتنی
ساحلوں تک حباب آوے ہے

دشت کا پھر سے اب سفر ہوگا
منزلِ گل کا خواب آوے ہے

جو زمانہ گزر گیا اے تاج
یاد وہ بے حساب آوے ہے





اب کے ایسے پکار چپ کے سے
آہی جائے بہار چپ کے سے

زندگی! تجھ پہ جان و دل اپنے
کر چکے ہم نثار چپ کے سے

کچھ نہ تھا پاس کس کو کیا دیتے
دے دیا اختیار چپ کے سے

زندگی کو تلاش کرنا ہے
چل پڑو سوئے دار چپ کے سے

ہے یقیں وہ کبھی تو آئے گا
حاصلِ انتظار چپ کے سے

کوئی ہنگامۂ جنوں ہی نہیں
آئی ہے پھر بہار چپ کے سے

آج ہم تیرے غم میں شامل ہیں
کہہ گئے غمگسار چپ کے سے





زندگی یوں تو بے ثبات ملی
کیا یہ کم ہے کہ تیری ذات ملی

ہم نے دنیا میں کیا نہیں ڈھونڈا
تیرے دامن میں کائنات ملی

رُک گیا وقت قافلوں کی طرح
ہم کو رستے میں جب حیات ملی

اپنی خاطر نہیں تو اُن کے لئے
کب سفر سے ہمیں نجات ملی

جب بھی منزل کی سمت جانے لگے
ہر قدم ایک واردات ملی

ہم نے ڈھونڈا کہاں کہاں اس کو
فصلِ گل تا ترے سات ملی





سانس کی طرح سے رک گئے ہم کبھی، دل کی صورت کبھی ہم دھڑکتے رہے
شمعیں جلتی رہیں زندگی کی یونہی، آرزوؤں کے شعلے دہکتے رہے

یہ خطا کر گئی آج ٹھنڈی ہوا، مجھ کو دیوانہ پھر کر گئی یہ صبا
پھر تصور میں تجھ گلستاں سج گئے، پھول یادوں کے دل میں مہکتے رہے

آسماں مسکرانے لگا تھا مگر، کتنی مغموم تھیں اپنی تنہائیاں
آپ بھی اشک پیتے رہے رات بھر، چھپکے چھپکے سے ہم بھی سسکتے رہے

کتنی تاریکی راتوں کے دامن میں تھی، خواب آنکھوں میں تھے کتنے ٹوٹے ہوئے
روشنی جگنوؤں کی کہیں کھو گئی، میری پلکوں پہ تارے چمکتے رہے

سازِ غم کی بجی آواز کچھ تیز تھی، رقص فرما ہوئی نہ کبھی زندگی
ہم کو الفت کی مئے تو ملی نہ کبھی، اشک پیتے رہے اور بہکتے رہے

تاج منزل وفاؤں کی ہم سے تھے کبھی، آرزوؤں کے سفر کا بھی حاصل تھے ہم
ہم کو لوگوں نے دیکھا نہیں راہ میں، وہ تو چلتے رہے اور بھٹکتے رہے





چمن کا دیکھا نظارا تو آنکھ بھر آئی
جو ذکر آیا تمھارا تو آنکھ بھر آئی

میں کیا بتاؤں شبِ غم کا وہ سہارا تھا
گرا جو ٹوٹ کے تارا تو آنکھ بھر آئی

شکستہ پا ہی نہ تھے، راہ بھی تو مشکل تھی
ملا نہ کوئی سہارا تو آنکھ بھر آئی

تمام زندگی تنہائی اپنے ساتھ رہی
کسی نے ہم کو پکارا تو آنکھ بھر آئی

کسی سے پہلی دفعہ مل کے ہم بہت خوش تھے
ملا جو کوئی دوبارا تو آنکھ بھر آئی

تمھاری بزم میں آکر ہوئے ہیں رنجیدہ
کوئی نہیں تھا ہمارا تو آنکھ بھر آئی

غمِ حیات کا ہر لمحہ تا آج بھاری تھا
ترے بغیر گزارا تو آنکھ بھر آئی





وہ زندگی کا سہارا ہے اور کچھ بھی نہیں
یہ حسنِ ظن بھی ہمارا ہے اور کچھ بھی نہیں

یہ سوچ کر ہی بہاریں کبھی تو آئیں گی
قفس میں وقت گزارا ہے اور کچھ بھی نہیں

زمین و آسماں دونوں ہی گونج اٹھے ہیں
کسی نے ہم کو پکارا ہے اور کچھ بھی نہیں

نقوش یادوں کے، سائے ہیں آرزوؤں کے
یہی اثاثہ ہمارا ہے اور کچھ بھی نہیں

حدودِ شہر سے ہم بھی نکل گئے ہوتے
خیال ہم کو تمہارا ہے اور کچھ بھی نہیں

ہزاروں پھول کھلے ہیں ہمارے دامن میں
یہی فریبِ نظارہ ہے اور کچھ بھی نہیں

تمام عمر گزاری ہے اس طرح اے تاج
خود اپنے غم کو سنوارا ہے اور کچھ بھی نہیں





قفس میں رنگِ گلستاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہاں بھی جشنِ بہاراں نہیں تو کچھ بھی نہیں

کوئی ہو صاحبِ محفل تو اس سے ہم کو کیا
وہ ایک شمعِ فروزاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

تمہارے گھر کے اُجالوں سے ہم کو کیا لینا
ہمارے گھر میں چراغاں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہمارے عزمِ مصمّم کے سامنے جب تک
شکستِ گردشِ دوراں نہیں تو کچھ بھی نہیں

رِدائے سکوں کی اب اوڑھنے سے کیا حاصل
حیات سر بہ گریباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

شعورِ ضبطِ الم عام ہو گیا ہے مگر
جنونِ شوق کا ساماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

عجیب رنگ ہے اے تاجؔ اِس کہانی کا
تمہارا نام ہی عنواں نہیں تو کچھ بھی نہیں





محسوس ہوا تھا ترے قدموں کی صدا تھی
دروازہ جو کھولا تو فقط سرد ہوا تھی

یہ وقت بھی آیا ہے کہ اب چھالے پڑے ہیں
ہاتھوں میں ہمارے کبھی خوشبوئے حنا تھی

ہم دن کے اُجالے میں بھی پہچان نہ پائے
ہر خواب کے شانے پہ اندھیروں کی ردا تھی

اب اپنا مسیحا تو یہاں کوئی نہیں ہے
حالانکہ زمانے میں ہر اک غم کی دوا تھی

آنکھوں میں تلاطم کا ابھی تک بھی اثر ہے
جو دل میں تمنّا تھی، وہی موجِ بلا تھی

ہوتی رہی ہر لمحہ مری زیست کی توہین
ہر سانس مری ویسے بھی جینے کی سزا تھی

ہم سر پہ رکھا کرتے تھے اک تاجِ محبت
جب آپ کی آنکھوں میں بھی تصویرِ وفا تھی





اندھیرا مانا ہمیں آزماتا رہتا ہے
چراغ، دل کا مگر جگمگاتا رہتا ہے

ہمارے اشک زمیں پی رہی ہے برسوں سے
یہ آسماں تو فقط مسکراتا رہتا ہے

قریبِ دل کوئی دستک سناتی دیتی ہے
نہ جانے کون یہاں آتا جاتا رہتا ہے

کئی دِلوں سے ہے مصروف کوئی دیوانہ
دیئے جلا کے وہ خود ہی بجھاتا رہتا ہے

امیرِ شہر کا کیا جانے کیا ہے منصوبہ
مکاں بنا کے ہمیشہ گراتا رہتا ہے

کوئی سُنے نہ سُنے تاجؔ یہ بھی کیا کم ہے
غزل تمہاری کوئی گنگناتا رہتا ہے





ملتے رہتے ہیں کئی لوگ مگر کیا کیجے
ہم تو کرتے ہیں اکیلے ہی سفر کیا کیجے

زخم پھولوں کی طرح روز کھلا کرتے ہیں
ہم پہ ہوتا ہے بہاروں کا اثر کیا کیجے

کرنے آتا ہے کوئی درد کا درماں لیکن
اور بڑھتا ہے مرا دردِ جگر کیا کیجے

پھونک دیتا ہے کوئی میرے شبستاں کے چراغ
ایسے حالات میں امیدِ سحر کیا کیجے

جس کی موجوں میں مرے دل کا سفینہ ڈوبا
یاد آتا ہے وہی دیدۂ تر کیا کیجے

اب بھی جاری ہے مری چاند ستاروں کی تلاش
اب بھی جاتی ہے بہت دور نظر کیا کیجے

اس لئے تاج اندھیروں میں رہا کرتے ہیں
ہم کو ہوتا ہے چراغوں سے بھی ڈر کیا کیجے





ہم خوابِ پریشاں ہیں نگاہوں میں ملیں گے
ہر رنگ میں گلشن کی فضاؤں میں ملیں گے

شبنم کی طرح آپ لبِ گُل پہ ہی رہنا
ہم صبح تلک ٹھنڈی ہواؤں میں ملیں گے

اب راہ میں ہونگیں یہاں روشن سی لکیریں
جلتے ہوئے کچھ لوگ بھی راہوں میں ملیں گے

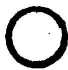
کشتی سے نکلتے ہوئے طوفاں کے سبھی راز
ساحل سے بہت دُور صداؤں میں ملیں گے

ہیں دار و رسن پیچ میں گر، فکر نہیں ہے
آنا ہو تو آجاؤ کہ خوابوں میں ملیں گے

ہم نقشِ محبت ہیں کبھی مٹ نہیں سکتے
دھڑکن کی طرح دل کی کتابوں میں ملیں گے

مانا کہ زمانے نے کئی پھول سُنے ھیں
کچھ زخم ہمیں تاج کے ہاتھوں میں ملیں گے





چراغ تو ہیں بہت اِن میں روشنی ہے کہاں
وہی یہ شہر ہے لیکن تری گلی ہے کہاں

تمام عمر سفر میں ہمارے ساتھ رہی
یہ گرد چہرے پہ ان کے ابھی جمی ہے کہاں

وہ جس کو حُسن کے زمانے کو آپ ٹھکرا دیں
وہ بات آپ سے ہم نے ابھی کہی ہے کہاں

چمن میں چاروں طرف اِک دھواں سا اُٹھتا ہے
یہ دیکھنا ہے ہمیں آگ پھر لگی ہے کہاں

محیط ہم پہ ہے سنّاٹا ایک مدّت سے
یہ انقلاب اگر ہے تو زندگی ہے کہاں

تمام نقشِ قدم مِٹ گئے ہیں راہوں سے
ہے اعتبارِ سفر پھر بھی آگہی ہے کہاں

یہ مانا تاج کہ ہم اب بھی اشکبار نہیں
ہمارے ہونٹوں پہ پہلی سی وہ ہنسی ہے کہاں





رہتے ہیں گلستاں میں بھی ہم کتنے اکیلے
اِس فصلِ بہاراں میں بھلا کون یہ سوچے

اِس واسطے دیوار پہ تصویریں لگا دیں
مجھ کو کوئی پہچانے کوئی تو مجھے دیکھے

تا عمر دِیا رکھنا ہے دروازے پہ مجھ کو
اللہ کرے میرا مکاں کوئی نہ بھولے

یہ بات غلط ہے کہ وفا ہم نے نہیں کی
یہ سچ ہے وفاؤں سے مقدّر نہیں بدلے

ہم نے بھی سجایا تھا اک اخلاص کا گلشن
کیوں دُور تلک سائے محبت کے نہ پھیلے

ویسے تو جیالوں سے گرے تاج کئی لوگ
یہ بات الگ ہم بھی گرے پھر بھی نہ ٹوٹے





اب ضبطِ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں ہے
اِس دردِ محبت کی دوا کچھ بھی نہیں ہے

پوشیدہ، طبیعت میں وفاؤں کے ہیں سب راز
یہ ترکِ وفا، عہدِ وفا کچھ بھی نہیں ہے

مجرم کی طرح ہم کو سمجھتے ہیں ابھی لوگ
یہ بات الگ ہے کہ خطا کچھ بھی نہیں ہے

چھائی ہوئی ماحول پہ ہے خاموشی ایسی
لگتا ہے کہ اب دل کی صدا کچھ بھی نہیں ہے

جی بھر کے کیا کرتے ہیں کچھ لوگ مظالم
جیسے کہ ستم گر کی سزا کچھ بھی نہیں ہے

دیکھو تو ذرا سُرخیٔ گلزارِ تمنّا
یہ رنگِ شفق، رنگِ حنا کچھ بھی نہیں ہے

اے تاج تجھے دیکھ کے اب تک بھی کئی لوگ
کہتے ہیں کہ یہ بادِ صبا کچھ بھی نہیں ہے





چاہا تو نہیں تھا کہ ترے بارے میں سوچوں
لیکن یہ تمنّا تھی تجھے روز میں دیکھوں

تُو نے مجھے آمادۂ گفتار کیا ہے
سوچا تو یہی تھا کہ کسی سے بھی نہ بولوں

کچھ لوگ مرے غم کا سبب پوچھ رہے ہیں
یہ خوف مجھے ہے کہ ترا نام نہ لے لوں

جی چاہتا ہے روز کروں تیری حفاظت
سائے کی طرح تیرے در و بام پہ پھیلوں

یہ ریت ہی ساحل کی، مقدّر میں تھی میرے
چاہا تھا کبھی میں نے کہ طوفان سے کھیلوں

لگتا ہے کہ اب آنے کو ہے فصلِ بہاراں
اچھا ہے کہ اب چاکِ گریباں کو بھی سی لوں

اے تلّج مرے دل میں یہ رہتی ہے تمنّا
تیری یہ زمیں چھوڑ کے اب آسماں چھُو لوں





کس نے کہا تھا تجھ سے یوں سوگوار ہو جا
اے دل تو ضبطِ غم کا آئینہ دار ہو جا

گھُٹ گھُٹ کے سانس لینا جینے میں کب ہے شامل
اے رازِ مرے دل کے اب آشکار ہو جا

بیتابیوں سے یوں بھی حاصل نہیں ہے کچھ بھی
یا آنسوؤں کو پی لے یا اشکبار ہو جا

میرے سفر کا قصہ تاریخ میں ہو شامل
اے سرزمینِ صحرا! اب لالہ زار ہو جا

اے میرے زخمی پاؤں گلشن کھلا لہو سے
یہ اُن کا گلستاں ہے نذرِ بہار ہو جا

اے تاج دھڑکنوں کی تو قید یوں بڑھا دے
دل کہہ رہا ہے مجھ سے تو بھی نثار ہو جا





راستہ شمعیں جلا کر تا سحر دیکھے گا کون
کتنا ویراں ہو گیا ہے میرا گھر دیکھے گا کون

تم مسیحا ہو کے بھی جب لوٹ کر جانے لگے
تم ہی کہنا زخمِ دل کے اک نظر دیکھے گا کون

یوں تو رہتی ہے بہ پرواز پر سب کی نظر
بکھرے بکھرے سے قفس میں بال و پر دیکھے گا کون

اپنی اپنی منزلوں کی سمت ہیں جب سب رواں
کون تھا کس کا یہاں پہ ہمسفر دیکھے گا کون

جس کی پلکیں بھیگتی رہتی تھیں ہنگامِ سحر
درد میں ڈوبی ہوئی وہ چشمِ تر دیکھے گا کون

صبح کی کرنیں بھی آ پہنچی ہیں اب دہلیز تک
تاج تیرا راستہ اب عمر بھر دیکھے گا کون





یہ منظر یہ جشنِ چراغاں ہے ہم سے
یقیناً یہ شمعِ فروزاں ہے ہم سے

یہ سچ ہے ہمیں سے یہ ویرانیاں ہیں
مگر یہ بھی سچ ہے گلستاں ہے ہم سے

یہ ممکن ہے کل ہم یہاں پر نہ ہونگے
ابھی تک تو دورِ بہاراں ہے ہم سے

ہیں دامن پہ اس کے بھی قطرے لہو کے
سرِ دار، منصف پریشاں ہے ہم سے

زمانے کی گردش کو ہم جانتے ہیں
وہ نظریں ملا کے پشیماں ہے ہم سے

کبھی تاج جس نے دلا سہ دیا تھا
وہی شخص پھر سے گریزاں ہے ہم سے





زندگی درد کا طوفاں ہے تمہیں کیا معلوم
آرزو موت کا ساماں ہے تمہیں کیا معلوم

صحن گلشن میں شب و روز گزر جاتے ہیں
زندگی دیدۂ گریاں ہے تمہیں کیا معلوم

چاند تاروں کی ضیاء پاس نہیں ہے اپنے
ظلمتِ شب ہی نگہباں ہے تمہیں کیا معلوم

مجھ کو ان اونچے مکانوں سے گھٹن ہوتی ہے
کتنی مشکل میں مری جاں ہے تمہیں کیا معلوم

زندگی درد تو ہے درد کا ساماں نہیں
دلِ مرا کتنا پریشاں ہے تمہیں کیا معلوم

آج حصے میں مرے خوشبو کا موسم بھی نہیں
کب سے دل خانۂ ویراں ہے تمہیں کیا معلوم





ابھی تو درد کا صحرا ہے کوئی ساتھ نہیں
غمِ حیات بھی تنہا ہے کوئی ساتھ نہیں

برائے نام ہے رشتوں کا اک ہجوم مگر
خیال و خواب کی دنیا ہے کوئی ساتھ نہیں

تمام لوگ ہیں ساحل پہ محوِ نظارہ
حوادثات کا دریا ہے کوئی ساتھ نہیں

رہِ حیات ہے ویران ایک مدت سے
ہمارا دل بھی اکیلا ہے کوئی ساتھ نہیں

بہت سے لوگ صلیبیں اٹھائے چلتے ہیں
عجیب یہ بھی تماشہ ہے کوئی ساتھ نہیں

ملا نہ کوئی بھی غمخوار ہم کو دنیا میں
ہجومِ شوقِ تمنا ہے کوئی ساتھ نہیں

اجالے تاج یہاں پر کبھی نہیں آتے
ہر ایک گام اندھیرا ہے کوئی ساتھ نہیں





اب کسی ہاتھ میں پتھّر نہیں دیکھے جاتے
موسمِ گُل میں یہ منظر نہیں دیکھے جاتے

آگ گلشن کو لگانے کا سبب بتلائیں!
یا تو کہیئے کہ گُلِ تر نہیں دیکھے جاتے

کب سے پیاسے ہیں سرِ بزم مگر بیٹھے ہیں
ہم سے یہ ٹوٹے ساغر نہیں دیکھے جاتے

اب تو یہ اشک چراغوں کی طرح ہیں اپنے
داغِ دل اتنے منوّر نہیں دیکھے جاتے

خس و خاشاک کے جلنے ہی کی لو آتی ہے
اب گلستاں بھی معطّر نہیں دیکھے جاتے

آپ کا دل ہے اگر آئینہ ہم دیکھیں گے
اس میں اوروں کے تو پیکر نہیں دیکھے جاتے

قابلِ رشک ہیں اے تاجؔ جنوں کے آثار
ایسے دیوانے کہیں پر نہیں دیکھے جاتے





ایسا نہیں کہ شہر میں اونچے مکاں نہ تھے
تھے بام و در بلند مگر سائباں نہ تھے

چھُٹ کر قفس سے ہم نے تو دیکھا ہے بس یہی
شاخیں تو تھیں شجر کی، مگر آشیاں نہ تھے

دل پر لگی تھی چوٹ، مگر ضبط کر گئے
چہرے پہ رنج و غم کے کہیں بھی نشاں نہ تھے

تنظیم گلستاں کا چلن راس کس کو تھا
رہتے تھے ہم چمن میں مگر شادماں نہ تھے

دل میں ہی اپنے حسرتِ پرواز رہ گئی
اڑنے کو ہم چلے تو کہیں آسماں نہ تھے

تنہائیوں کا ساتھ تھا رہبر بنا ہوا
اپنے سفر میں ساتھ کبھی کارواں نہ تھے

اس زندگی میں تاجؔ یہی تجربہ ہوا
کچھ لوگ مہرباں تھے مگر قدرداں نہ تھے





کچھ بھی تو محبت کے سوا کر نہیں سکتے
ہم رسمِ تغافل بھی ادا کر نہیں سکتے

حالات بدلتے ہیں تو بدلا کریں لیکن
حالات ہمیں تم سے جُدا کر نہیں سکتے

مانا کہ بہت درد ہوا کرتا ہے دل میں
کچھ ایسی ہے مجبوری، دوا کر نہیں سکتے

ہم آپ کے لہجے سے پریشان ہیں لیکن
یہ بات الگ ہے کہ گِلہ کر نہیں سکتے

کن لوگوں کا اب تذکرہ کرتے ہو یہاں پر
کچھ لوگ ہی ایسے ہیں، وفا کر نہیں سکتے

بیٹھے ہیں کچھ اِس طرح سے مایوس کئی لوگ
جیسے کہ بہاروں کی دعا کر نہیں سکتے

ہم عہدِ وفا کے لئے پابند ہیں اے تاجؔ
ہم تم سے کسی حال جفا کر نہیں سکتے





روشن ہے تری راہوں میں دِیا آہستہ گزر آہستہ گزر
چھو لے نہ اسے دامن کی ہوا آہستہ گزر آہستہ گزر

جب خون کے آنسو ٹپکیں گے، کچھ پھول بھی دل کے مہکیں گے
ہے دیدِ محبت سب سے جدا آہستہ گزر آہستہ گزر

منزل ہی سمٹ کر آئے گی، یہ فاصلے خود مٹ جائیں گے
اب اور کہوں کیا اس کے سوا آہستہ گزر آہستہ گزر

مانا کہ زمانہ بھول گیا، وہ عہدِ وفا بھی جھوٹا تھا
دیتا ہے کوئی پھر تجھ کو صدا آہستہ گزر آہستہ گزر

کچھ لوگ ابھی تک راہوں میں، آنکھوں کو بچھائے بیٹھے ہیں
اے جانِ جگر اے جانِ وفا آہستہ گزر آہستہ گزر

یہ رنگ تمنّا کم تو نہیں، تصویرِ وفا میں بھرنے کو
کیا رنگِ شفق کیا رنگِ حنا آہستہ گزر آہستہ گزر

ملنے کو کوئی پھر آیا ہے اور وقت یہ گزرا جاتا ہے
اے تاج تو اتنا کہہ دے ذرا آہستہ گزر آہستہ گزر





سب لوگ کہہ رہے ہیں عنایت ہے زندگی
ہم کیا بتائیں کس کی امانت ہے زندگی

سر کو جھکایا ہم نے تو احساس یہ ہوا
سجدہ ہی زندگی ہے عبادت ہے زندگی

کیا کیا نہ ہم پہ گزری سُنانے سے فائدہ
ہم پھر بھی جی رہے ہیں کہ عادت ہے زندگی

دو چار دن کی اپنی مصیبت کا ذکر کیا
اپنے لئے تو روز قیامت ہے زندگی

چشمِ کرم کی طرح سے ملتے ہیں سب مگر
ہم سے نہ پوچھو کس کی بدولت ہے زندگی

کس سے ہے تیرا رشتہ ابھی تک نہ کھُل سکا
ہم کو یہی تو تجھ سے شکایت ہے زندگی

بکھرے ہوئے سے بال ہیں چہرہ اُداس ہے
اب تاج میں بھی تیری شباہت ہے زندگی





کبھی رشتۂ دل کے بارے میں سوچو
مجھے اجنبی کی طرح سے نہ دیکھو

ہر اک غم کا اپنے مداوا بھی ہوگا
نہیں تابِ گویائی، آنکھوں سے بولو

کہیں پھر نہ ساحل پہ لے آئیں تم کو
سفینے کو لہروں کی زد پہ نہ چھوڑو

حقیقت میں ظالم ہے چرخِ کہن یہ
محبت بھرے لمحے خوابوں میں دیکھو

کوئی تم سے بدلہ نہ لے غفلتوں کا
خدا کے لئے دل کسی کا نہ توڑو

شبِ غم کی تاریکیاں بڑھ نہ جائیں
اگر ہو سکے مجھ کو آواز دے لو

نہیں آئے گی تا آج فصلِ بہاراں
چمن کی فضا سے نہ یوں دور ٹھہرو





دل کے آنگن میں پھر اُتر آئے
شبنمی خواب جیسے کچھ سائے

کیسا موسم ہے یہ خُدا جانے
اجنبی بن گئے ہیں ہمسائے

لوٹ آئے خُدا کرے ماضی
میری تقدیر پھر سنور جائے

جن کو میرا جواب تھا معلوم
وہ مرا نام لے کے پچھتائے

لوگ ویرانیوں میں بھی خوش ہیں
ہم تو گلشن میں آکے گھبرائے

نام پوچھا کسی نے جب اپنا
ہم ترا نام لے کے اِترائے

تاج کی شکل ہی کچھ ایسی ہے
آئینے، آئینوں سے ٹکرائے





ٹھنڈی ہوا کا جھونکا اک راز دے گیا ہے
جاتے ہوئے وہ مجھ کو اعزاز دے گیا ہے

نغمہ حیات کا اب مجھ سے سنے زمانہ
ہاتھوں میں میرے کوئی پھر ساز دے گیا ہے

کچھ لوگ صحن گل سے پہنچے ہیں پھر قفس میں
یہ حادثہ بھی شوق پرواز دے گیا ہے

اب میری چشم نم میں آنسو کہاں ہیں باقی
کوئی مجھے خوشی کا اعزاز دے گیا ہے

ہر سمت فصل گل کا منظر بدل گیا ہے
صحرا میں کوئی مجھ کو آواز دے گیا ہے

اے تاج جاتے جاتے اک لمحہ آرزو کا
مجھ کو بھی زندگی کا انداز دے گیا ہے





جو رازِ محبت ہے وہ سب کھول رہے ہیں
اس بزم میں ہم نام ترا بول رہے ہیں

دیوانے ہی ٹکراتے نہیں بامِ قفس سے
اُڑنے کے لئے ہم بھی تو پر تول رہے ہیں

ہاتھوں کو مصوّر کے ذرا غور سے دیکھو
پیالے میں جو اب رنگِ حنا گھول رہے ہیں

رُسوا ہمیں کرنے لگے دانستہ ہی لوگ
یہ آپ کے بارے میں بھی کچھ بول رہے ہیں

جو آج سخاوت کا لئے پھرتے ہیں پرچم
ہاتھوں میں انہی لوگوں کے کشکول رہے ہیں

پہنچیں گے نہ ساحل پہ کبھی اُن سے یہ کہہ دو
جو لوگ سفینوں کی طرح ڈول رہے ہیں

اک عمر سے خاموش رہا کرتے تھے ہم آج
ہے آپ کا اصرار تو ہم بول رہے ہیں





صحرا بھی تو چاہے ہے پھولوں سے سنور جانا
اے بادِ صبا آنا، آ کر نہ گزر جانا

کانٹوں کی طرح اب تو پھولوں کے قریں ہیں ہم
خوشبو کی طرح تم بھی گلشن میں بکھر جانا

ادنیٰ سا کرشمہ ہے یہ ربطِ مسلسل کا
دریا کے کنارے پہ موجوں کا ٹھہر جانا

اک عمر کٹی لیکن ہے یاد مجھے اب بھی
بادل کے گرجتے ہی تنہائی میں ڈر جانا

معصوم تمنّا کا بس اتنا ہی حاصل تھا
بارش کی پھواروں میں کچھ اور نکھر جانا

دریا سے نکل کر ہم آ جائیں گے اک دن تاجؔ
ممکن ہو تو ساحل پہ چپکے سے اُبھر جانا





دل ہمارا قرار مانگے ہے
گوشۂ پُر بہار مانگے ہے

زندگی اب بھی تیری محرومی
فصلِ گُل بار بار مانگے ہے

جبر ہی جبر ہے زمانے میں
زندگی اختیار مانگے ہے

دل کو اب صبحِ نَو کی ہے خواہش
شام بھی خوشگوار مانگے ہے

ہم کو پھر بیٹھنا ہے چوکھٹ پر
کوئی پھر انتظار مانگے ہے

کب وہ عہدِ وفا کے قابل ہے
ہم سے جو اعتبار مانگے ہے

تاجؔ سب ہی یہاں ستمگر ہیں
دل مگر غمگسار مانگے ہے





اب کیا بتائیں تجھ کو، کیوں شادماں ہوئے ہیں
تیری ہی طرح ہم بھی اے مہرباں ہوئے ہیں

ہر شخص پڑھ رہا ہے ہم کو کتاب جیسے
ہم زندگی کی شاید اک داستاں ہوئے ہیں

کیا کچھ بتا دیا ہے اب ہم کو ضبطِ غم نے
دنیا سمجھ رہی ہے ہم بے زباں ہوئے ہیں

آہٹ ہے زندگی کی یا ہے ہوا کا جھونکا
آوازِ پا یہ تیری کیا کیا گماں ہوئے ہیں

ہم کو ملی ہے منزل خود اپنے حوصلے سے
کچھ لوگ غفلتوں سے بے خانماں ہوئے ہیں

احساس ہو رہا ہے پرواز کرتے کرتے
ہم بھی ترے مقابل اے آسماں ہوئے ہیں

اے تاج کیا بتائیں دل کا ہمارے عالم
ہم کتنی مشکلوں سے شیریں بیاں ہوئے ہیں





کونین کی دولت ابھی ٹھکرائی کہاں ہے
خود میں نے ترے دل میں جگہ پائی کہاں ہے

ملتے ہیں سبھی لوگ یہاں اجنبی بن کر
اتنی تری محفل سے شناسائی کہاں ہے

مانا کہ لب و لہجہ ترا سب سے جدا ہے
لیکن تری باتوں میں وہ گہرائی کہاں ہے

کھل جائیں اگر پھول تو گلچیں کا بھی ڈر ہے
لیکن ابھی گلشن میں صبا آئی کہاں ہے

اب آپ مرے دل کو جلاتے ہیں مسلسل
پہلے سا وہ اندازِ مسیحائی کہاں ہے

ہر وقت کیا کرتا ہے مجھ سے کوئی باتیں
پہلے کی طرح تاجؔ وہ تنہائی کہاں ہے





جنھیں لوگ "اہلِ سخن" بولتے ہیں
ہم اُس کو بھی دیوانہ پن بولتے ہیں

زمانہ ستم گر ہے کتنا یہ سوچو
یہ لوگوں کے زخمی بدن بولتے ہیں

لہو آستینوں کا بولے نہ بولے
یہ سچ ہے کہ دار و رسن بولتے ہیں

جلیں کتنی لاشیں ہواؤں سے پوچھو
کٹے کتنے سر یہ کفن بولتے ہیں

بہاریں تو آئیں ہیں اب کے برس بھی
یہ پوچھو کہ کیا کچھ چمن بولتے ہیں

جہاں پر مہکتے ہیں اُلفت کے گلشن
اُسے تاج اپنا وطن بولتے ہیں





ہر شخص ترے غم کا خریدار لگے ہے
اے زندگی! اب تو مجھے بازار لگے ہے

دنیا میں نہیں لگتا مجھے کوئی بھی اپنا
ہر کوئی مجھے تیرا طرفدار لگے ہے

کیوں شہر میں ملتا نہیں اب کوئی مسیحا
ہر شخص مجھے چہرے سے بیمار لگے ہے

مانا کہ تجھے تابِ شکیبائی ہے لیکن
یہ بات الگ ہے یہی اظہار لگے ہے

تجھ سے نہیں خود اپنی نگاہوں سے گلہ ہے
ہر پھول چمن کا ترے اب خار لگے ہے

ہے تلخ مری زیست کا ہر لمحہ معیبت
اب عرضِ تمنّا بھی مجھے بار لگے ہے





گھر اپنا کسی گھر کے برابر نہیں دیکھا
میں نے کسی ہمسائے کا منظر نہیں دیکھا

چلتے ہوئے منزل کی جو دے مجھ کو بشارت
میں نے کبھی اس طرح کا رہبر نہیں دیکھا

یوں موجِ تلاطم سے ڈراتے ہو مجھے تم
جیسے مری آنکھوں نے سمندر نہیں دیکھا

یہ سچ ہے کہ ہم شاخِ گُلِ تر کی طرح ہیں
دنیا نے ہمیں صورتِ خنجر نہیں دیکھا

آئینے تو ٹکراتے ہی رہتے ہیں ہمیشہ
پتھر کے مقابل کبھی پتھر نہیں دیکھا

محسوس تو ہوتا ہے تعاقب میں ہیں کچھ لوگ
میں نے کبھی چلتے ہوئے مڑ کر نہیں دیکھا

اے تاج تجھے دیکھ کے کہتا ہے زمانہ
ایسا تو کہیں درد کا پیکر نہیں دیکھا





ہر لمحہ ترے غم سے سنورتے رہے ہم لوگ
ہر دور میں ساحل پہ اُبھرتے رہے ہم لوگ

آگے تو ہمارے تھی بلندی ہی بلندی
کس طرح خدا جانے اُترتے رہے ہم لوگ

اب کیسے بتائیں کہ یہاں کیسی فضا تھی
خود اپنے ہی سائے سے بھی ڈرتے رہے ہم لوگ

ہرگز نہ سمجھنا کہ تھے ساحل پہ بھی خاموش
طوفانوں کا اندازہ بھی کرتے رہے ہم لوگ

یہ زندگی اک پل بھی ہمیں راس نہ آئی
جینے کے لئے روز ہی مرتے رہے ہم لوگ

ٹھہرے رہے تم تا آج ہمیشہ کی طرح سے
اور وقت کی مانند گزرتے رہے ہم لوگ





گذری باتوں کو بھول جانے دے
زندگی اب تو مسکرانے دے

دل تو اکثر اُداس رہتا ہے
کوئی نغمہ کبھی سُنانے دے

حل کوئی میری غمگساری کا
تجھ سے مشکل اگر ہے، جانے دے

رہبروں سے تو ہم نمٹ لیں گے
راہبر! ہم کو رہ پہ آنے دے

اب تبسّم پہ اعتراض نہ کر
عظمتِ غم مجھے بڑھانے دے

ان چراغوں سے فائدہ کیا ہے
آگ لگ جائے گی بجھانے دے

دور بھی کچھ پیام دیتا ہے
تاج قاصد کو میکدہ آنے دے





زندگی دیکھ تلاطم سے گزر آئے ہیں
ہم حبابیوں کی طرح پھر سے اُبھر آئے ہیں

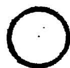
راہ میں ہم کو چراغوں کی ضرورت نہ رہی
نقشِ پا آپ کے جب ہم کو نظر آئے ہیں

ظلمتِ شب کے تصوّر سے یہ ڈرنا کیسا
آپ کے گھر میں تو ہم بن کے سحر آئے ہیں

اب تو خوابوں کی طرح اُن کو چھپا کر رکھو
جو ستارے مری پلکوں پہ اُتر آئے ہیں

کیجئے دیدۂ پُرنم سے ہماری خاطر
ہم تو مہمان ہیں اور آپ کے گھر آئے ہیں

تاج کیوں کی تھی بہاروں کی تمنّا تم نے
خاک سے خون سے دیوانے سنوار آئے ہیں





یہ سچ ہے کہ کچھ لوگ رسوا ہوئے تھے
تمہاری ہی خاطر تماشا ہوئے تھے

جہاں آپ آئے تھے سیرِ چمن کو
وہی سارے گلشن تو صحرا ہوئے تھے

ہماری نظر کا کرشمہ تھا یہ بھی
سرابوں کے منظر بھی دریا ہوئے تھے

تمہاری ہی محفل کی رونق تھے ہم بھی
تمہاری ہی محفل میں تنہا ہوئے تھے

ابھی تک نظاروں میں ہے روشنی سی
کبھی ہم ستاروں سے گویا ہوئے تھے

ترے زخمِ دل ہی پتہ آج دینگے
زمانے میں کتنے مسیحا ہوئے تھے





آئی کدھر سے کالی گھٹا جانتے نہیں
ہم لوگ دھوپ، ٹھنڈی ہوا جانتے نہیں

اتنی تو ہے خبر کہ چمن میں ہیں قید ہم
بادِ سموم، بادِ صبا جانتے نہیں

آہٹ سی اک سنائی تو دیتی ہے ہر گھڑی
آئی کہاں سے ہے یہ صدا جانتے نہیں

حالانکہ زندگی ہی عبادت ہے کیا کریں
اس پر بھی لوگ حرفِ دعا جانتے نہیں

توہین لوگ کرتے ہیں کس اہتمام سے
انعام یہ ہے یا ہے سزا جانتے نہیں

وہ ناشناسِ غم ہے تو رہنے بھی دیجیے
کیا تم بھی تاجؔ طرزِ وفا جانتے نہیں





یہ موجِ حوادث ہے یہ چلتی ہی رہے گی
اِس پہ یہ مری کشتی سنبھلتی ہی رہے گی

تم اپنی نظر سب سے بچائے ہوئے رکھنا
دنیا کو بدلنا ہے، بدلتی ہی رہے گی

آپ آئیں نہ آئیں مجھے اِس کی نہیں پروا
یہ شمعِ تمنّا یونہی جلتی ہی رہے گی

گر خواب نہیں ہیں تو یہ آنسو ہیں غنیمت
حسرت مرے دل کی تو نکلتی ہی رہے گی

ہے زندگی اک شمع کی صورت ہیں فروزاں
یہ غم کی حرارت سے پگھلتی ہی رہے گی

کب وقت کے لمحات گرفتار ہوئے ہیں
یہ شامِ تمنّا ہے سو ڈھلتی ہی رہے گی

تم تاج ستاروں کو رکھو اپنی نظر میں
ہر رات نیا رنگ بدلتی ہی رہے گی





طے کر لیا ہے تحفۂ فصلِ بہار دوں
اس سوچ میں ہوں پھول تمہیں دوں کہ خار دوں

کہتا ہے مجھ سے دل مرا میں بھی اُداس ہوں
میں خود ہوں بے قرار تجھے کیا قرار دوں

صدقے اے زندگی ترے حُسن و جمال کے
جی تو یہ چاہتا ہے کہ میں خود کو وار دوں

جو ناخدا تھا چھوڑ کے مجھ کو چلا گیا
آواز اب میں کیسے اُسے بار بار دوں

مدّت کے بعد آج یہ فرصت ملی مجھے
جو بارِ غم ہے دل پہ میں اُس کو اُتار دوں

مجھ سے تو آج دل کی حفاظت نہ ہو سکی
آ اے غمِ حیات! تجھی کو سنوار دوں





لگتا ہے کہ ہم لوگ پریشان رہیں گے
جینے کے بہت کم یہاں سامان رہیں گے

مقتل کی فضاؤں سے کبھی خوف نہ کھانا
اے زندگی! ہم تیرے نگہبان رہیں گے

ہو جائے گا اعزازِ تواضع مجھے حاصل
کچھ دن کے لئے آپ جو مہمان رہیں گے

مل جائیں گے جب بھی تری آنکھوں کے اجالے
شائستہ نظر والے پشیمان رہیں گے

بہتر ہے سرِ بزم تغافل ہی برتنا
پہچان کے ہم آپ کو انجان رہیں گے

اے تاج چھپا لیجئے اب خود کو کھنڈر میں
ساحل کی طرف بھی کئی طوفان رہیں گے





یہ شامِ غم مرا دامن بھگونے والی ہے
غمِ حیات ٹھہر، صبح ہونے والی ہے

بہت سے لوگوں کو شاید نہیں ہے اندازہ
یہ موجِ غم ہی تو ہم کو ڈبونے والی ہے

نہ جانے کس لئے اب ہم کو ایسا لگتا ہے
ہمارے پاؤں میں کانٹے چبھونے والی ہے

تمام عمر جو صحرا میں کٹ بھی جائے تو کیا
صبا تو مسندِ گل پر ہی سونے والی ہے

یہ سوچ کر ہی جلایا ہے آرزو کا چراغ
یہ روشنی بھی اندھیروں میں کھونے والی ہے

سنا ہے ہم نے بھی اے تاجؔ کوئی رت آکر
ہماری پلکوں میں موتی پرونے والی ہے





اس انتہائے درد کی تعظیم کیجیۓ
گر درد مشترک ہے تو تقسیم کیجیۓ

افسانۂ حیات کو رکھنا ہے جوں کا توں
عنوان دیجیۓ نہ ہی ترمیم کیجیۓ

ہیں آپ اشک بار تو دامن ہمارا نم
ہم بھی ہیں پاس آپ کے تسلیم کیجیۓ

جھگڑا ہوا ہے گردشِ دوراں سے آج پھر
اب درمیاں میں آئیے تفہیم کیجیۓ

آ کے نہ جائے اب کے یہ موسم بہار کا
اب کے چمن میں ایسی ہی تنظیم کیجیۓ

ہم سرخرو ہوئے ہیں کسی تاج کی طرح
ہم بھی متاعِ زیست ہیں تکریم کیجیۓ





جب تک ہمارے غم سے تمہیں واسطہ نہ تھا
دنیا میں کوئی تم کو بھی پہچانتا نہ تھا

اُس چاند سی نگینہ میں اب بھی ہے روشنی
جس کا کبھی اُجالوں سے کچھ رابطہ نہ تھا

کیوں ہے اُداس آپ کا چہرہ بتلائیے
میں نے غزل سُنائی تھی وہ مرثیہ نہ تھا

دشوارئ حیات سے رنجیدہ ہم بھی تھے
رنج والم کو سہنے کا جب حوصلہ نہ تھا

مغرب کی سمت آپ ہیں مشرق کی سمت ہم
پہلے تو اِس طرح کا کوئی فاصلہ نہ تھا

اے تاجؔ ہم بھی آئینہ خانوں میں آ گئے
اپنی طرح یہاں پہ کوئی دوسرا نہ تھا





غم کو دل سے جُدا تو کیا کرتے
ہو گئی تھی خطا تو کیا کرتے

ہم نے دامن جلا دیا اپنا
بجھ رہا تھا دِیا تو کیا کرتے

سیرِ گلشن کی آرزو تھی مگر
منتظِر تھی صبا تو کیا کرتے

شمع خود ہم نے ہی بجھا ڈالی
تھی مخالف ہوا تو کیا کرتے

ہم نے محفوظ رکھّا آئینہ
ہاتھ سے گر گیا تو کیا کرتے

تاج تنہائی ہم پہ ہنستی تھی
ہم نہ ہوتے خفا تو کیا کرتے





نظامِ دہر میں اب فرقِ خاص و عام کہاں
ہمارے غم کا زمانے میں احترام کہاں

حیات، کشمکشِ درد ہی کا نام نہیں
سکونِ دل بھی ہے لیکن اسے دوام کہاں

ٹھہر ٹھہر کے ہر اک سانس آتی جاتی ہے
طویل زندگی اپنی، ابھی تمام کہاں

شکستہ پا ہوں مرے سامنے ہی منزل ہے
لیا ہے شوقِ سفر نے بھی انتقام کہاں

اب ایک دشت کی صورت بنے ہیں سب گلشن
نسیمِ صبحِ چمن آج خوش خرام کہاں

فلک ہے چاند ستارے ہیں اور ثریا ہے
مری نگاہ مگر اُن سے ہم کلام کہاں

بُلایا تاجؔ مجھے تُو نے یوں تو محفل میں
خبر تجھے بھی نہیں، ہے مرا مقام کہاں





پھر سے کئی دیئے مری پلکوں پہ جل گئے
دامن میں تیرے اشکوں کے جب پھول ڈھل گئے

دنیا بدل گئی ہے ہمیں اس کا غم نہیں
افسوس ہم کو یہ ہے کہ تم بھی بدل گئے

صفحاتِ دل پہ آج بھی کچھ نقش ہیں عیاں
اوراق تیری میری کتابوں کے جل گئے

بے نام حسرتوں نے دیا کچھ صلہ یہاں
ارمان جتنے دل میں تھے دل سے نکل گئے

پستی میں کچھ بھی ہو کبھی گرنے نہ پائے ہم
آئے کئی فراز مگر ہم سنبھل گئے

خوشبو کو لے کے آتی تھی زنداں میں بھی ہوا
جب ہم قفس سے نکلے تو موسم بدل گئے

اے تاج دل کو جب ہوئی محلوں کی آرزو
ہم ریت کے مکان بنا کر بہل گئے





مرے خلوص کو اب تم کبھی نہ ٹھکرانا
چھلک نہ جائے کہیں زندگی کا پیمانہ

نہیں ہے فکر کہ اہلِ وفا ملے نہ مجھے
یہ دل خلوص و وفا کا ہے اب بھی دیوانہ

یہ چاند تارے کبھی ہم رکاب تھے میرے
سکھایا گردشِ دوراں نے ان کو ٹکرانا

جو ہو سکے تو چلے آؤ دل کی محفل میں
ہمیں یہ ڈر ہے کہ دل ہو نہ جائے ویرانہ

زمانہ پڑھنے لگا ہے بڑی عقیدت سے
تمھارے نام جو لکھا ہے ہم نے افسانہ

ہوا ہے تاج یہی ایک تیرے جانے سے
ہماری بزم میں اب شمع ہے نہ پروانہ





سلوک آپ کا ویسے بھی اک قیامت ہے
ہمارا ضبطِ الم بھی مگر سلامت ہے

کسی ستم پہ بھی فریاد ہم نہیں کرتے
یہی اصولِ محبّت، یہی روایت ہے

نہ جانے کس لئے تم اس قدر پریشاں ہو
ہمیں تو تم سے نہ شکوہ نہ اب شکایت ہے

سبھی یہ جانتے ہیں میرا مرتبہ کیا ہے
ہوا ہے نام تو یہ آپ کی عنایت ہے

نہیں ہیں آپ اگر قدر داں تو کیا غم ہے
خلوص، پیار، وفا تو ہماری عادت ہے

تمام عمر، حفاظت ہمیں کو کرنی ہے
ہمارے پاس یہ غم آپ کا امانت ہے

جہاں میں تاج یہی بات ہم بھی سمجھے ہیں
خلوص، پیار سے جینا بھی اک عبادت ہے





سوچا بھی نہ تھا ہم نے کہ جل جائیں گے اک دن
شمعوں کی طرح ہم بھی پگھل جائیں گے اک دن

اس طرح سے ہم کو نظر انداز نہ کیجے
ہم آپ کی محفل سے نکل جائیں گے اک دن

ہے ربطِ غمِ دوراں سے اب تک ہمیں لیکن
ہم بھی غمِ جاناں سے بہل جائیں گے اک دن

حالات یہ مانا کہ موافق نہیں اپنے
جو حادثے در پیش ہیں وہ ٹل جائیں گے اک دن

یہ پیش قیاسی تو بہت پہلے ہوئی تھی
یہ دل کو یقیں تھا وہ بدل جائیں گے اک دن

بہکے ہوئے ہیں اپنے قدم آج تو کیا غم
اے تاج یقیں ہے کہ سنبھل جائیں گے اک دن





مجھ سے کسی دوراہے پہ ٹھہرا نہیں جاتا
اے زندگی اب تجھ کو بھی دیکھا نہیں جاتا

ساتھ اس کے چلی جاتی ہیں محرومیاں کتنی
محفل سے تری کوئی اکیلا نہیں جاتا

رہبر کی طرح بھیس بدل آئے ہیں رہزن
منزل کا پتہ ایسے میں پوچھا نہیں جاتا

رہبر ہو مجھے ساتھ رکھو غم کے سفر میں
رستے میں مسافر کو یوں چھوڑا نہیں جاتا

حسرت کی نظر سے ہمیں سب دیکھ رہے ہیں
کچھ حال ہی ایسا ہے کہ بولا نہیں جاتا

کیا جانیئے کون آیا یہاں سیرِ چمن کو
وہ حال گلوں کا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا

اے تاج خدا جانے یہ کیا مجھ کو ہوا ہے
اب تو ترے بارے میں بھی سوچا نہیں جاتا





آئینہ لئے پھر کوئی حیران کھڑا ہے
اے لوگو! مِرے چہرے پہ کیا ایسا لکھا ہے

شائد کہ ترے دل کے مکاں میں نہیں کوئی
دروازہ پہ دستک سے مری ٹوٹ چکا ہے

دیوانہ مرے گھر کی ہی دہلیز پہ آکر
کیوں مجھ سے ترے گھر کا پتہ پوچھ رہا ہے

سب اپنی طرح مجھ کو سمجھتے رہے لیکن
جینے کا مرے آج بھی انداز جُدا ہے

اب ذکرِ وفا پر بھی ہنسی آتی ہے مجھ کو
اب پاسِ وفا ہے نہ کوئی عہدِ وفا ہے

دریائے الم میں مرے خوابوں کا سفینہ
ساحل کی طرف آتے ہوئے ڈوب گیا ہے

سب تاج غزل تیری پڑھا کرتے ہیں اکثر
ہاتھوں کی لکیروں کو یہاں کس نے پڑھا ہے





یہ سن رہے ہیں نئے لوگ آنے والے ہیں
نئی طرح سے وہ گلشن سجانے والے ہیں

تنی ہے رات کی چادر تو کوئی بات نہیں
تمہیں بھی خواب سے اب ہم جگانے والے ہیں

اک اور باب ہمیں زندگی کا پڑھنے دو
ہم اپنے نقشِ تمنّا مٹانے والے ہیں

خزاں کا دور ہو چاہے وہ موسمِ گُل ہو
ہر ایک حال میں ہم مسکرانے والے ہیں

تم اپنے دل کے اندھیروں سے اب نہ گھبراؤ
چراغِ آرزو ہم بھی جلانے والے ہیں

ابھی تو واسطہ لوگوں کا ہم سے باقی ہے
پھر اس کے بعد ہمیں سب بھلانے والے ہیں

کچھ اپنا درد بھی اے تاؔج ہم کو دے دیجے
ہم اپنے ضبط کی عظمت بڑھانے والے ہیں





اشکوں کے قطرے قطرے کو دریا کریں گے ہم
یونہی غمِ حیات کا چرچا کریں گے ہم

ساحل پہ چھوڑ جائیں گے جب ناخدا ہمیں
موجوں کی سمت دور سے دیکھا کریں گے ہم

ہم کو تمام عمر ملے گا نہ کچھ یہاں
پانے کی تم کو پھر بھی تمنا کریں گے ہم

قاتل ہے یا مسیحا، خدا جانے کون ہے
مِل کر کسی سے ایسے بھی سوچا کریں گے ہم

عہدِ وفا کہ ضبطِ الم، ترکِ آرزو
اک لمحۂ حیات میں کیا کیا کریں گے ہم

ایسا کہاں مقام ہے منزل کہیں جسے
ہر ایک راہرو سے یہ پوچھا کریں گے ہم

مدت سے تاج ہم سے گریزاں ہے زندگی
اب تجھ کو یاد کر کے ہی بہلا کریں گے ہم





آئینہ اُنہیں لوگ دِکھاتے رہے اکثر
جو اپنے ہی چہرے کو چھپاتے رہے اکثر

دستک بھی وہ دیتے ہوئے گھبرانے لگے ہیں
جو در پہ کبھی آپ کے آتے رہے اکثر

شمعوں کی طرح تم ہی نہیں ہو یہاں روشن
ہم بھی تو یہاں دل کو جلاتے رہے اکثر

پہچان نہیں پایا کبھی اُن کو زمانہ
آواز سے آواز ملاتے رہے اکثر

کچھ ایسے بھی بے نام و نشاں لوگ ملینگے
لکھ لکھ کے ترا نام مٹاتے رہے اکثر

اے تاج خِردمندی کا اعجاز ہے شائد
دیوانہ ہمیں لوگ بناتے رہے اکثر





کیسی بہاریں، کیسا موسم
آنکھیں ہماری، شبنم شبنم

کون آیا تھا جس کے قدم سے
نظمِ گلستاں درہم برہم

آخری حد ہے سوزِ جگر کی
کیسی دوا اب کیسا مرہم

کچھ تو مداوا دل کا کیجیے
بدلا ہوا ہے درد کا عالم

قائم دونوں اپنی جگہ ہیں
ضبطِ الم اور دردِ پیہم

جانے کب دیکھا تھا ہم نے
آج تلک ہے خواب کا عالم

کیسی ہوا یہ تا آج چلی ہے
شمعِ تمنّا ہو گئی مدّھم





کوئی بھی شئے مجھے مجبور کر نہیں سکتی
مری نگاہ کہیں بھی ٹھہر نہیں سکتی

کھلے ہیں سجدوں کے کچھ پھول اُنکی چوکھٹ پہ
یہ کام بادِ صبا یوں بھی کر نہیں سکتی

خود اپنے حال کو ایسے بگاڑا لوگوں نے
کہ جیسے گردشِ دوراں سنور نہیں سکتی

ہمارا رشتہ اُجالوں کی سرزمین سے ہے
اندھیری رات سے یہ صبح ڈر نہیں سکتی

مرے خدا نے مجھے ایسی نظر عطا کی ہے
اُفق کے پار بھی جاکر ٹھہر نہیں سکتی

ہم ایسی بات کبھی لب پہ لا نہیں سکتے
جو بات آپ کے دل میں اُتر نہیں سکتی

سمٹ کے آئی ہے اے تاجؔ تیری آنکھوں میں
ہماری زندگی اب تو بکھر نہیں سکتی





چمن کی فضا کب کسے راس آئی
مسلسل اسیری، مسلسل رہائی

کبھی زندگی ہم شناسا تھے تیرے
صلیبوں پہ تیری بہت یاد آئی

جو آئینہ دیکھا ہوئے ہم بھی حیراں
یہ تصویر، پتھر یہ کس نے بنائی

کئی دستکیں رائیگاں ہو گئی ہیں
ترے گھر تلک بھی نہیں ہے رسائی

کبھی اے چمن والو آکر تو دیکھو
قفس میں بھی ہوتی ہے نغمہ سرائی

جدھر جی میں آئے قدم اب بڑھاؤ
محبت کے رستے میں کیسا رہنمائی

ہمیں تاج بن کر چمکنے لگے ہیں
ہمیں نے تو کی تھی یہاں پہ گدائی





ہم فکر کے صحرا میں بھٹکتے نہیں رہتے
چٹانوں کی مانند سرکتے نہیں رہتے

دامن سے لپٹ جاتے ہیں کانٹوں کی طرح ہم
لوگوں کی نگاہوں میں کھٹکتے نہیں رہتے

تم شوق سے پھر سیرِ چمن کے لئے نکلو
سب گوشے گلستاں کے مہکتے نہیں رہتے

ہم لوگ سناتے ہیں قفس میں بھی ترانے
ہم یادِ گلستاں میں سسکتے نہیں رہتے

ساحل کی فضاؤں میں بھی سرشار ہیں ہم لوگ
موجوں کی طرح سر کو پٹکتے نہیں رہتے

کیوں عارضی دوری کا ہے شکوہ تجھے اے تاج
کیا ہم تیرے سینے میں دھڑکتے نہیں رہتے





منزل کا پتہ نقشِ قدم بول رہے ہیں
ہم ساتھ ہیں یہ دیدۂ نم بول رہے ہیں

حالات نے کچھ ایسا ہی مجبور کیا ہے
کچھ لوگ ستم کو بھی کرم بول رہے ہیں

روشن ہے ابھی شام، اُجالوں کے کرم سے
کیوں آپ اسے شامِ الم بول رہے ہیں

کرنے جو چلے تھے مرے زخموں کا مداوا
وہ آپ کے دامن کو بھی نم بول رہے ہیں

سناٹا نہ ہو جائے تری بزم پہ طاری
اس واسطے ہم بزم میں کم بول رہے ہیں

یہ وسعتِ کونین بھی کافی نہیں ہم کو
ہر سمت سے ہر گام پہ ہم بول رہے ہیں

پھولوں کی طرح ہونٹوں پہ ہے تاجِ تبسم
دیوانے مگر خوشیوں کو غم بول رہے ہیں



انتساب

تاج کے سر تاج (حبیب احمد بافقیہ) کے

نام

ہے تاج کے دامن میں مہکتے ہوئے کچھ پھول
یہ جرم بھی اے بادِ صبا میں نے کیا ہے

فاطمہ تاج



آتشِ غم کو آب مت سمجھو
ہم کو خانہ خراب مت سمجھو

ہم بھی پہنچے ہیں اپنی منزل پر
خود کو ہی کامیاب مت سمجھو

اشکِ غم کا بھی اِس سے رشتہ ہے
یہ ہے دریا، سراب مت سمجھو

اپنے چہرے کو دیکھ لو پہلے
آئینے کو خراب مت سمجھو

یہ ہے مکتوبِ زندگی میرا
اس کو ہرگز کتاب مت سمجھو

اُلجھی سانسوں کے ہم مقابل ہیں
ہم کو فرصت کا باب مت سمجھو

ہم کو خاموشیوں کی عادت ہے
تاجؔ اِس کو جواب مت سمجھو





پہلو غمِ اُلفت میں ایسے بھی نکلتے ہیں
کچھ تم بھی بدلتے ہو کچھ ہم بھی بدلتے ہیں

اک رشتۂ باہم ہے ہم دونوں میں مدّت سے
تم روز سُلگتے ہو ہم روز پگھلتے ہیں

رکھنا ہے اُجالوں کو محفوظ بہر صورت
تنکے تو نشیمن کے ہر شام ہی جلتے ہیں

رفتار پہ ہوتا ہے لغزش کا گماں اکثر
جب نقشِ قدم تیرے ہم دیکھ کے چلتے ہیں

کرتے ہیں تبسّم سے ہر حال پذیرائی
کچھ اشکِ الم پھر بھی آنکھوں میں مچلتے ہیں

اعزاز، تغزّل کا تم کو ہی نہیں حاصل
الفاظ ہمارے بھی احساس میں ڈھلتے ہیں

معیار ہے یہ اپنا دورانِ سفر اب بھی
ہم تاج وہ راہی ہیں، گرتے، نہ سنبھلتے ہیں





مری سمت جب اک نگاہِ غضب تھی
ہر اک ساعتِ غم مری تشنہ لب تھی

ہمارے بھی دامن کو اُلجھا گئی وہ
نسیمِ بہاراں بڑی بے ادب تھی

تمہاری مسیحائی کام آ گئی ہے
حیاتِ تمنّا مری جاں بلب تھی

وہی اک نظر تو کھٹکتی ہے اب بھی
مرے زخمِ دل کا کبھی جو سبب تھی

وہ ماضی کا موسم بھی تھا کتنا روشن
وہ خوابوں کی دنیا بھی کتنی عجب تھی

زمانہ مجھے تاج کہنے لگا ہے
مرے حال پر یہ عنایت بھی کب تھی





کوئی موجِ غم دل کے اندر نہیں ہے
اب آنکھوں میں اپنی، سمندر نہیں ہے

یہ کم تو نہیں ہے کہ تم سامنے ہو
بہاروں کا مانا کہ منظر نہیں ہے

نہیں ہے تمہارے ہی گھر میں اندھیرا
ہماری بھی دنیا منوّر نہیں ہے

ہمارے بھی ہاتھوں میں ہے آئینہ اب
کسی ہاتھ میں کوئی پتھر نہیں ہے

ابھی ہے غمِ دوراں ہم پہ مسلّط
ابھی اپنا روشن مقدّر نہیں ہے

کئی لوگ کاسہ بدست آج بھی ہیں
یہاں تاج کوئی سکندر نہیں ہے





خوابوں میں اُجالوں کا اثر ڈھونڈ رہے ہیں
ہم زیست کو اب شام و سحر ڈھونڈ رہے ہیں

کیا جانئے انجام ہو کیا راہِ وفا میں
ملتا نہیں کوئی بھی مگر ڈھونڈ رہے ہیں

کب جانے کریں گے یہ مسیحا مرا درماں
کچھ لوگ ابھی زخمِ جگر ڈھونڈ رہے ہیں

دانستہ ہم اِس طرح کسی دل میں چھپے ہیں
اب تک بھی ہمیں اہلِ نظر ڈھونڈ رہے ہیں

کہتا کہ سمندر میں اُتر کر ذرا دیکھیں
جو ریت پہ ساحل کی گہر ڈھونڈ رہے ہیں

یہ دیکھئے دامن مرا پھولوں سے بھرا ہے
کیوں آپ چمن میں گُلِ تر ڈھونڈ رہے ہیں

دینا بھی پڑے گا تجھے تابِ نیاں اپنی
اے تاج تجھے شمس و قمر ڈھونڈ رہے ہیں





کھل گئے پھر سے آرزو کے گلاب
کون ہے اب یہاں پہ خانہ خراب

دامنِ نم ہمارا حاضر ہے
اب نہ پوچھو ہمارے غم کا حساب

کون اب چہرۂ غم کا دیکھے گا
ہم نے ڈالا ہے پھر ہنسی کا نقاب

تم بھی اب اِس کو پڑھ کے دیکھو نا
ہم نے لکھ دی ہے زندگی کی کتاب

کیا بتائیں سفر میں صحرا کے
ہر قدم پہ مِلے تھے کتنے سراب

وقت سے اک سوال تھا اپنا
آئینہ ہم کو دے رہا ہے جواب

تاجؔ تعبیر کچھ نہیں جن کی
ہم نے دیکھے ہیں ایسے بھی کچھ خواب





ہم اِس طرح آنسو بہانے لگے ہیں
ستاروں سے دامن سجانے لگے ہیں

ہمیں اپنی محرومیوں کا ہے احساس
نئے درد ہم کو پرانے لگے ہیں

چلے تھے جو ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے
چمن سے وہ پھر دُور جانے لگے ہیں

جو طوفاں سمندر میں بَل کھا رہے تھے
وہ اب میری کشتی میں آنے لگے ہیں

یہی ہم کو کہنا ہے اِن آندھیوں سے
نشیمن ہم اب بھی بنانے لگے ہیں

ہمیں تاج غم خوار اپنا سمجھ کر
وہ اپنا فسانہ سُنانے لگے ہیں





جھوٹی تسلیاں مجھے اے چارہ گر نہ دے
ہے شام میرے سر پہ فریبِ سحر نہ دے

منزل کی جستجو ہی میں گزری تمام عمر
میں ہوں شکستہ پا مجھے اذنِ سفر نہ دے

دامن کو آج بھی ہے کسی چشمِ نم کی آس
توہینِ آرزو نہ ہو، لعل و گہر نہ دے

آجائیں نہ سمٹ کے فلک کی یہ رفعتیں
یارب مجھے قفس میں کبھی بال و پر نہ دے

ہے تجھ کو اختیار کہ وقفِ صلیب کر
سوزِ الم نہ دے مجھے زخمِ جگر نہ دے

ہے اشکِ غم سے تاجؔ کا دامن جلا ہوا
الزامِ ضبطِ غم کا اب اے چشمِ تر نہ دے





جنوں کی شمعیں جلاؤ تو کوئی بات بنے
اندھیرے گھر کے مٹاؤ تو کوئی بات بنے

وہ حادثہ جو ابھی دور دور رہتا ہے
اُسے قریب بُلاؤ تو کوئی بات بنے

یہ مانا راہ میں پتھر ہیں اور کانٹے بھی
سنبھل سنبھل کے تم آؤ تو کوئی بات بنے

پرائے لوگوں کی اب گفتگو سے کیا لینا
تم اپنی بات سُناؤ تو کوئی بات بنے

سرور بخش کہاں ہے تمہارا سازِ حیات
ہمارے ساز پہ گاؤ تو کوئی بات بنے

تمہارے عہدِ وفا سے اے تاج کیا ہوگا
یقین ہم کو دلاؤ تو کوئی بات بنے





یہ ہم نے چاہا ہے اب تم کو آزمائیں گے
تمہارے شہر میں ہم بھی مکاں بنائیں گے

نہیں ہے ہم کو ضرورت کسی مسیحا کی
جو زخم تم نے دیئے ہیں وہ بھر ہی جائیں گے

پہنچ ہی جائیں گے اک روز ہم بھی مقتل میں
تمہارا نام زباں پہ کبھی نہ لائیں گے

تمہارے دل میں اُترنا ہے آرزو بن کر
لہو کی طرح رگوں میں بھی دوڑ جائیں گے

سوا تمہارے ہمیں کون یاد رکھے گا
سوا تمہارے سبھی لوگ بھول جائیں گے

قدم قدم پہ ملیں گے تمہیں نشاں اپنے
ہمارے نقشِ کفِ پا بھی جگمگائیں گے

یہ سچ ہے تاج کہ ہم خود بھی مسکراتے ہیں
کسی کے عہدِ وفا پر بھی مسکرائیں گے





کس نے چھیڑا یہاں یہ سازِ حیات
رقص فرما ہے آرزو کی برات

جب زمیں والے ہو گئے خاموش
آسماں کر رہا ہے ہم سے بات

کون کہتا ہے ہم اکیلے ہیں
حادثے چل رہے ہیں اپنے سات

اس سے رونق ہے دل کے زخموں کی
ہم نے چاہی کہاں ہے غم سے نجات

منزلِ دار کتنی روشن ہے
آئیے، دیکھیے نا میرے سات

ہم نے شبنم سجائی پلکوں پر
بٹ رہی تھی چمن میں کچھ خیرات

تاج اب قصہ مختصر یہ ہے
زندگی بن گئی ہے تیری ذات





ناکردہ خطاؤں کی سزا ایسی ملی ہے
دل میں ہیں کئی زخم تو آنکھوں میں نمی ہے

ہم نے نہیں دیکھی کبھی سانسوں کی یہ رفتار
سوچا تھا کہ جینے کے لئے عمر پڑی ہے

دل ڈھونڈتا رہتا ہے خدا جانے یہ کس کو
کیا جانے مری زیست میں کس شئے کی کمی ہے

ہر گوشۂ گلشن سے دھواں اُٹھنے لگا ہے
یہ آگ خدا جانے کہاں، کیسے لگی ہے

رُک رُک کے گزرتے ہیں تمنّا کے سفینے
اک موجِ وفا ہے کہ کھڑی ہے سو کھڑی ہے

اے تاجؔ نہ ڈرنا کبھی انجامِ سفر سے
رستہ بھی نیا ہے ترا، منزل بھی نئی ہے





ہر سمت بہاروں ہی کے چرچے ہیں ابھی تک
پھولوں پہ مرے اشکوں کے قطرے ہیں ابھی تک

دشوار سی لگتی ہے تمہیں راہ، چمن کی
ہم لوگ تو انگاروں پہ چلتے ہیں ابھی تک

مل کر تو بہاروں سے زمانہ ہوا لیکن
دامن میں کئی پھول مہکتے ہیں ابھی تک

آہٹ ہے، نہ دستک ہے نہ آواز ہے کوئی
کیوں خواب مری پلکوں پہ ٹھہرے ہیں ابھی تک

سن کر جنہیں یہ زندگی پھر رقص میں آئے
گھنگرو کی طرح لفظ وہ بجتے ہیں ابھی تک

کیا جانیئے کیا کہہ کے تجھے شمعِ فروزاں
پروانے سرِ بزم تڑپتے ہیں ابھی تک

ہو تاج مبارک تجھے یہ شوقِ تبسم
ہم ہیں کہ ترے غم میں سلگتے ہیں ابھی تک





رہِ سفر میں ابھی انتشار اِتنا ہے
دِکھائی کچھ نہیں دیتا، غُبار اِتنا ہے

اب ایک پھول بھی ہم اس میں رکھ نہیں سکتے
تمھارا دامنِ دل تار تار اتنا ہے

تمھارے ترکِ تعلق کو بھی وفا سمجھے
ابھی تلک تو ہمیں اعتبار اتنا ہے

تمام اہلِ ستم کو بھی ہوگی ناکامی
ہمارا رشتۂ دل پائیدار اتنا ہے

کسی نے وعدہ کیا ہے کہ پھر وہ آئے گا
پلک جھپکتی نہیں، انتظار اتنا ہے

ہزار کوششیں کیں سر اُٹھا نہیں سکتے
غمِ حیات کا اب ہم پہ بار اتنا ہے

کوئی نہ چھین سکے گا ہماری آزادی
تمھارا تاج ابھی اختیار اتنا ہے





جلتی سی مری آنکھوں میں اشکوں کی نمی تھی
جب آگ مری ذات کے اندر ہی لگی تھی

ہم دل کے اُجالوں سے بھی لڑتے رہے اکثر
یہ شامِ تمنا تو بہت دور کھڑی تھی

کس طرح سے اس بات کو ہم بھول سکیں گے
ہم کو بھی کسی دل میں جگہ تھوڑی ملی تھی

ہاتھوں میں گلابوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا
کیا شئے تھی خدا جانے جو پہلو میں چبھی تھی

دیکھا تھا ترا چہرہ کبھی خواب میں ہم نے
آواز تری ہم نے تصوّر میں سُنی تھی

ہم ایک ہی رستے سے گزرتے رہے اکثر
کچھ دور ترے گھر سے ہماری بھی گلی تھی

اب تک بھی مہکتا ہے مرا دامنِ دل تاجؔ
اک دستِ عطا سے مجھے خوشبو سی ملی تھی





وہ زخم ملے ہیں کہ بھلائے نہیں جاتے
کچھ داغِ تمنّا ہیں دکھائے نہیں جاتے

اب تیرے بچھڑ جانے کا افسوس نہیں ہے
غم ہے کہ تری یاد کے سائے نہیں جاتے

دانستہ یہاں پھینک دیا آئینہ تم نے
ہاتھوں سے تو پتھر بھی گرائے نہیں جاتے

محسوس جو کرتا ہے تو کر لیجئے ورنہ
افسانے غمِ دل کے سُنائے نہیں جاتے

تم کو نہیں معلوم کہ خوابوں کے نشیمن
یوں صحنِ گلستاں میں جلائے نہیں جاتے

خود آپ سُلگ اُٹھّے گا اے تاجؔ یہ دامن
آنسو کبھی دامن میں چھپائے نہیں جاتے





مداوائے زخمِ جگر کر رہے ہیں
یونہی زندگی ہم بسر کر رہے ہیں

نہیں کوئی سورج اِدھر آنے والا
چراغ اب جلا کر سحر کر رہے ہیں

خود اپنی ہی سانسوں سے ترکِ تعلّق
نہیں چاہتے ہیں، مگر کر رہے ہیں

سفینہ تلاطم کے ہاتھوں میں دینگے
ابھی ساحلوں پر نظر کر رہے ہیں

سُلگنے لگا ہے زمانے کا دامن
اب آنسو ہمارے اثر کر رہے ہیں

کہاں اب وہ پھولوں کے موسم ملیں گے
ہم اپنے ہی دامن کو تر کر رہے ہیں

زمیں تنگ ہونے لگی تا آج ہم پر
ہم اب آسمانوں میں گھر کر رہے ہیں





ہر شخص زندگی کا طلبگار ہو گیا
عالم تمام صورتِ بازار ہو گیا

وہ لمحۂ طرب جو تبسّم نواز تھا
پل بھر میں آنسوؤں کا خریدار ہو گیا

سارا زمانہ ہم سے بہت بدگمان ہے
جب سے ہمارا کوئی طرفدار ہو گیا

کچھ لوگ اس طرح سے مرے ساتھ چل پڑے
آسان تھا جو راستہ دشوار ہو گیا

یہ بات آپ کے بھی سمجھ میں نہ آئے گی
کیوں موسمِ بہار شرربار ہو گیا

پھیلے ہوئے تھے دام چمن میں جگہ جگہ
کس کو بتائیں کون گرفتار ہو گیا

مسرور ہم بھی تاج ہیں پتھر تراش کر
لو چہرۂ حیات نمودار ہو گیا





لمحے حیاتِ نَو کے بہت غم نواز ہیں
وہ کیا کریں گے غم سے بھی جو بے نیاز ہیں

خنجر بہ کف جو ملتے ہیں ہر ایک موڑ پر
کچھ لوگ کہہ رہے ہیں یہی چارہ ساز ہیں

گزری ہے عمر اپنی چٹانوں کے درمیاں
یہ اور بات ہے کہ ہم آئینہ ساز ہیں

یہ دیکھنا ہے کٹتی ہے کس طرح زندگی
مانا غمِ حیات کے گیسو دراز ہیں

چلنا جہاں تلک ہو سنبھل کر چلا کرو
اِس رہگذر میں یوں بھی نشیب و فراز ہیں

ہجرت بھی تاؔج اپنے لئے مسئلہ نہیں
تاریخ کہہ رہی ہے ہم "اہلِ حجاز" ہیں





حدیثِ درد ابھی ناتمام رہنے دو
مسرتوں کا یوں ہی اہتمام رہنے دو

تمام شہر میں کر دی ہے روشنی تم نے
ہمارے گھر میں کبھی یہ انتظام رہنے دو

کبھی سکوں تو ملے اِن تڑپتی موجوں کو
کبھی ہواؤں کو بھی خوش خرام رہنے دو

تلاش جن کی تھی برسوں سے وہ بھی آئے ہیں
کبھی نہ بزم میں اب خالی جام رہنے دو

ضمانت اب بھی ہے جو اپنی سربلندی کی
اُس اک صلیب پہ اپنا بھی نام رہنے دو

نسیمِ صبح ہمیں آکے خود جگا دے گی
چمن سے دُور ہمارا مقام رہنے دو

نہ آئے تاج کبھی حرفِ وضع داری پر
تمام عمر یہی احترام رہنے دو





مجھ کو اس نظمِ گلستاں پہ ہنسی آتی ہے
جانے کیوں جشنِ بہاراں پہ ہنسی آتی ہے

روز آتے ہیں مری آنکھ میں آنسو لیکن
آپ کے تنگیٔ داماں پہ ہنسی آتی ہے

پہلے ہوتا تھا مجھے درد کا احساس بہت
اب فقط عمرِ گریزاں پہ ہنسی آتی ہے

جائزہ دامنِ عصیاں کا لیا کب ہم نے
اس لئے دیدۂ گریاں پہ ہنسی آتی ہے

جب ترے گھر کی طرف جاتے ہیں سب اہلِ جنوں
مجھ کو رہ رہ کے گریباں پہ ہنسی آتی ہے

جانے کب میں نے بہاروں کی تمنّا کی تھی
آج تک اس دلِ ویراں پہ ہنسی آتی ہے

تاجؔ سمجھا نہ کوئی میرے تبسّم کا مزاج
اس لئے بھی غمِ دوراں پہ ہنسی آتی ہے





کسی بھی غیر کو تم اتنا مرتبہ تو نہ دو
مِرے خلوصِ مسلسل کو یوں سزا تو نہ دو

بنے نہ راکھ مِرے اعتبار کی دنیا
دِیا جلایا ہے تم نے تو پھر ہوا تو نہ دو

یہ مانا روکنا اس کو بہت ہی مشکل ہے
اِس حادثہ کو کبھی اپنا راستہ تو نہ دو

تمہارا چہرہ نظر آ گیا بہت ہے یہی
ہمارے ہاتھوں میں اب کوئی آئینہ تو نہ دو

ہیں کتنے آپ کے احسان جانتے ہیں سبھی
ہمارے حق میں کبھی تہمتِ جفا تو نہ دو

حیات بڑھتی ہے طوفاں کی زد میں رہنے سے
اے تاج پھر مجھے ساحل سے تم صدا تو نہ دو





چرچے کہاں ہمارے کسی بات سے ہوئے
مشہور ہم ہوئے ہیں تو حالات سے ہوئے

جب خامشی ہی درمیاں دیوار بن گئی
صدیوں کے فاصلے اِن ہی لمحات سے ہوئے

گر آپ مطمئن تھے خود اپنے سلوک سے
پھر کیوں پریشاں آپ سوالات سے ہوئے

مانا یہ ہم نے اپنا کوئی چارہ ساز ہے
پھر دل پہ زخم کس کی عنایات سے ہوئے

ہم دائرہ ہیں شوق کا، تُو مرکزِ جنوں!
وابستہ اب تو ہم بھی تری ذات سے ہوئے

نم دیدہ تاجؔ اِن دِنوں تنہا نہیں ہو تم
ہم بھی تو نیم جاں کئی صدمات سے ہوئے





بکھرتے ہیں اب شعلہ بہ داماں
ہم نے کیا تھا جشنِ چراغاں

تارِ نفس ہیں بکھرے بکھرے
چاک ہے دامن، چاک گریباں

اب تو مسیحا کوئی نہیں ہے
سوزِ جگر سے سب ہیں پریشاں

وہ بھی ہم کو یاد کریں گے
آئے گی جب بھی فصلِ بہاراں

کانٹوں سے کیا شکوہ کریں ہم
اپنا ہی دامن، اپنا گلستاں

تاج یہی ہے زیست کا حاصل
شوقِ تبسم، دیدۂ گریاں





کبھی روشن یہ رہ گزر نہ ہوئی
کون آیا، گیا، خبر نہ ہوئی

دل کو غم سے بچانا چاہا تھا
کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی

میں نے گھڑیاں گزاریں گن گن کے
زندگی پھر بھی مختصر نہ ہوئی

میں نے چاہا غبار ہو جاؤں
یہ ہوا میری ہمسفر نہ ہوئی

اپنی قسمت میں روشنی ہی نہ تھی
رات جب آئی تو سحر نہ ہوئی

سب تسلّی ہی مجھ کو دیتے رہے
دل کے زخموں پہ اک نظر نہ ہوئی

تاجؔ کیا زندگی کا لطف آئے
جب ترے ساتھ ہی بسر نہ ہوئی





سرِ محفل یہ کس کی یاد آئی
گنگناتی ہے میری تنہائی

سب کو ہے اپنی منزلوں کی تلاش
یاد کس کو ہے آبلہ پائی

زندگی اس لئے اُداس ہوں میں
تیری صورت نظر نہیں آئی

زندگی، آکہ تجھ کو دیکھ تو لوں
کب تلک ساتھ دے گی بینائی

دوستوں کے فریب کے آگے
کام آئی نہ اپنی دانائی!

میرے ہاتھوں میں ہے غزل کی کتاب
کس کو معلوم نیند کب آئی

زورِ طوفاں کا یاد آیا تاجؔ
جب بھی ساحل پہ کشتی لہرائی





عجیب چیز ہے شوق کی ابتدا بھی
یہی درد ہے اور یہی ہے دوا بھی

اُسی طرح باقی ہے دنیا کی محفل
کہیں دل جلا ہے کہیں دل بجھا بھی

اُنہیں ہم نے دیکھا ہے حسرت سے اکثر
جو دیتے ہیں ہم کو صلہ بھی سزا بھی

ابھی تک نہ بدلا یہ دورِ ستمگر!
ہیں اب تک بھی مصروف دستِ دعا بھی

یہ کیسا سفر ہے خدا جانتا ہے
نہیں ملتا مجھ کو ترا نقشِ پا بھی

کوئی بھی بھروسے کے قابل نہیں آج
ہوا خواب اُن کا وہ عہدِ وفا بھی





بھرنے لگے ہیں اب مرے زخمِ جگر تو کیا
ہوتا رہا ہرا اگر عمر بھر تو کیا

کچھ بھی ہو دل کو درد کی دولت تو مل گئی
ہوتا نہیں کسی پہ جو غم کا اثر تو کیا

اپنا سفر ہے جیسے بھی ہو چل پڑیں گے ہم
دیتا نہیں ہے راستہ گر راہ بر تو کیا

بیمارِ غم وہ پائے گا ہم جیسا اب کہاں
کرتا ہے اب بھی سازشیں گر چارہ گر تو کیا

خود آپ نے چراغِ تمنّا بجھائے ہیں
اب لے کے آئیں ہاتھ میں شمعِ سحر تو کیا

ہم جانتے ہیں تاجؔ کہ سب پر عیاں ہیں ہم
رہتا ہے کوئی ہم سے اگر بے خبر تو کیا





عجب دور ہے یہ عجب زندگی ہے
ہماری ہی قسمت میں تشنہ لبی ہے

سبھی کچھ ہے دنیا میں جینے کو لیکن
مجھے لگ رہا ہے ابھی کچھ کمی ہے

نہ جانے اُجالوں کے اسباب کیا ہیں
نہیں کوئی شعلہ، مگر روشنی ہے

رہی رات بھر جو ہواؤں کی زد میں
وہ اک شمع پھر بھی سحر تک جلی ہے

نہ جانے ہو کیا، کارواں کا مقدّر
مُسلسل سفر میں بھی دھوکہ دہی ہے

اُجالوں سے کیوں تم کو حیرت ہوئی ہے
نشیمن پہ میرے بھی بجلی گری ہے

اگر ہو سکے تا آج مل لو کسی دن
مری زندگی بھی گھڑی دو گھڑی ہے





بے ارادہ نکل گئے آنسو
اُن کے دامن پہ ڈھل گئے آنسو

بھیگی پلکوں کا راز ہے اتنا
اِک تبسّم سے جل گئے آنسو

کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی
میری دنیا بدل گئے آنسو

غمِ دوراں مرے مقابل تھا
گرتے گرتے سنبھل گئے آنسو

سسکیاں ضم ہوئیں ترنم میں
میرے شعروں میں ڈھل گئے آنسو

آج کیوں ایسا ہو گیا ہوگا
تم کو دیکھا نکل گئے آنسو





برق کو پہلے زیرِ دام کرو
پھر بہاروں کا ذکر عام کرو

عمر تو ساری گلستاں میں کٹی
کبھی صحرا میں بھی قیام کرو

شب گزرنا بہت ہی مشکل ہے
پھر سے خوابوں کا اہتمام کرو

ہم پریشاں ہیں ان اندھیروں سے
کچھ چراغوں کا انتظام کرو

اس طرح راستہ نہ طے ہوگا
رہنماؤں کو تیز گام کرو

تاجؔ کوئی غزل سناؤ نا
سننے والوں کا احترام کرو





حیراں ہیں سب اہلِ کرم، اہلِ ستم بھی
دیوانے ہوئے جاتے ہیں کیوں آپ بھی ہم بھی

کیا کیا نہ توقع تھی مجھے چشمِ کرم سے
ہے آپ کی ہی دین، مرا دامنِ نم بھی

آدابِ پرستش کا صلہ کس کو ملے گا
بُت اپنا بنانے لگے جب اہلِ حرم بھی

رہبر کی ضرورت نہیں یہ ایسا سفر ہے
منزل کا پتہ دیتے ہیں کچھ نقشِ قدم بھی

جو کچھ بھی ملے آپ سے ہر حال میں خوش ہیں
منظور خوشی ہی نہیں، منظور ہے غم بھی

ہم اپنی ہنسی بانٹتے پھرتے تو ہیں اے تاجؔ
رکھتے ہیں نہاں دل میں مگر رنج و الم بھی





چھپا کے لائے ہیں کیا راز لوگ سینوں میں
بپا ہے ایک تلاطم سا اب سفینوں میں

خزانے کس طرح لوگوں کو مل گئے ہونگے
ملا نہ کچھ بھی ہمیں وقت کے دفینوں میں

یہ کس مقام پہ آکے ٹھہر گئیں نظریں
ہے کس کا عکس خدا جانے اِن نگینوں میں

وہ اعتبار کے قابل نہیں رہا، جس نے
تمام عمر گزاری ہے نکتہ چینوں میں

حصولِ ذات میں جو لوگ سجدہ ریز رہے
چراغ آج بھی روشن ہیں اُن کے سینوں میں

نہ ہوگا تاج ہمارا وجود جب باقی
ہمارا نام لیا کرنا، ہم نشینوں میں





کسی کی ہم پہ عنایت ہے کیا کیا جائے
زمانے بھر کو شکایت ہے کیا کیا جائے

کہاں وہ تذکرۂ حسن و عشق کرتا ہے
جنونِ شوق پہ تہمت ہے کیا کیا جائے

فریب کھاتے ہی رہتے ہیں ہم بھی دانستہ
یہ اعتبارِ محبت ہے کیا کیا جائے

جو احترام نہیں کرتے دل کے جذبوں کا
اُنھیں سے ہم کو عقیدت ہے کیا کیا جائے

اُنہیں بہار کی خواہش، ہمیں خزاں بھی عزیز
یہ اپنی اپنی طبیعت ہے کیا کیا جائے

نہیں ہے تاجؔ کوئی اپنا ہم خیال یہاں
خموشیوں سے رفاقت ہے کیا کیا جائے





دل کی حالت خراب ہوتی ہے
غمگساری عذاب ہوتی ہے

بڑھتے بڑھتے ہماری خاموشی
آپ ہی کا جواب ہوتی ہے

ہم سے پوچھو نہ زخم کی حالت
صورتِ ماہتاب ہوتی ہے

کوئی لکھتا ہے، کوئی پڑھتا ہے
زندگی بھی کتاب ہوتی ہے

جب اندھیرے بہت زیادہ ہوں
اِک کرن آفتاب ہوتی ہے

تاجؔ آنکھوں کو بند کر لینا
زندگانی بھی خواب ہوتی ہے





موسمِ گُل پہ اشکباری ہے
جانے یہ کیسی غمگساری ہے

تم نے جب سے مزاج پوچھا ہے
ایک اک لمحہ ہم پہ بھاری ہے

ہم ہی ترکِ وفا پہ مائل ہیں
ہم پہ عہدِ وفا بھی طاری ہے

ہم نے بھی خوں دیا تھا گلشن کو
فصلِ گُل آج بھی ہماری ہے

آئینہ ہے ہمارے ہاتھوں میں
اس میں صورت مگر تمہاری ہے

ساتھ اب ہو نہ ہو تمہارا آج
زندگی کا سفر تو جاری ہے





زندگی کی یہ شام ہے شائد
یعنی سب کچھ تمام ہے شائد

دل پہ دستک سنائی دیتی ہے
خواہشِ ناتمام ہے شائد

کتنا روشن ہے خیمہ پلکوں کا
آنسوؤں کا قیام ہے شائد

پھر زمیں، آسمان رقصاں ہیں
پھر کوئی ہمکلام ہے شائد

لے کے کاسہ بہ دست پھرتے ہیں
تشنگی اب بھی عام ہے شائد

چاہ کر بھی نہ کوئی بھول سکے
تاج وہ میرا نام ہے شائد





اِس دورِ انتشار کا کچھ بھی سبب نہیں
کیا کہہ رہے ہو کوئی بھی اب تشنہ لب نہیں

دروازے بند ہو گئے آنکھوں کے ساتھ ساتھ
وہ انتظارِ شوق کا منظر بھی اب نہیں

اُن کا سلوک بھی تو بہت کچھ بدل گیا
پہلے کی طرح اپنے بھی اب روز و شب نہیں

ترکِ کرم کا فیصلہ خود آپ ہی کا ہے
پھیلا ہوا ہمارا ابھی دستِ طلب نہیں

اُس بے وفا کا اب بھی ہمیں انتظار ہے
یہ جانتے ہیں آنے کی اُمید اب نہیں

اے تاجؔ اب نہ چھیڑ تو سازِ حیات کو
یہ گوشۂ سکون ہے بزمِ طرب نہیں





زندگی! حوصلہ تو کرتے ہیں
ہم ترا سامنا تو کرتے ہیں

کیا کریں، روشنی نہیں ہوتی
رات دن ہم جلا تو کرتے ہیں

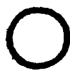
یہ الگ بات بھر نہیں پاتے
زخمِ دل کی دوا تو کرتے ہیں

کشتیاں پھر بھی ڈوب جاتی ہیں
کوششیں ناخدا تو کرتے ہیں

کوئی رہبر نہیں تو کیا غم ہے
رہبری، نقشِ پا تو کرتے ہیں

زیست کی انتہا نہیں معلوم
زیست کی ابتدا تو کرتے ہیں

کیا یہ کم ہے کہ تاجِ صحرا میں
ذکرِ بادِ صبا تو کرتے ہیں





اب پیشِ نظر میرے نہ منزل نہ سفر ہے
بدلے ہوئے حالات پہ جس دن سے نظر ہے

تہذیبِ چمن بندی سے واقف نہیں کوئی
شبنم بھی پشیمان ہے کیسا گلِ تر ہے

کیا جانوں کہ کب آ گیا سر پہ مرے سورج
آنکھوں میں ابھی تک مرے خوابوں کا اثر ہے

جو لوگ مجھے درسِ وفا دیتے رہے ہیں
اُن لوگوں کے سینے میں نہ دل ہے نہ جگر ہے

تم شہر کے وارث ہو تو بس اتنا بتا دو
یہ شہر تمھارا ہے تو گھر میرا کدھر ہے

حالانکہ چراغوں میں اُجالا ہی نہیں ہے
کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آغازِ سحر ہے

کس طرح زمانے کو یہ سمجھائیں گے اے تاج
یہ جشنِ بہاراں نہیں، یہ رقصِ شرر ہے





پھر تشنگی کے راز سے پردہ اُٹھا دیا
ساغر ہمارے ہاتھ سے کس نے گرا دیا

کچھ پھول بے وفا تھے تو دیتے انہیں سزا
یہ کیا کیا کہ آپ نے گلشن جلا دیا

سوچا نہیں کہ پھر بھی اُبھرتے رہیں گے ہم
کیوں تم نے نام لکھ کے ہمارا مٹا دیا

مجھ کو یقین ہے کہ اندھیروں میں ہوگا وہ
میرا چراغِ آرزو جس نے بجھا دیا

بہتر یہی ہے آپ بھی لیں اپنا جائزہ
ہم نے بنامِ زندگی سب کچھ بھلا دیا

ہر ایک کی نظر میں نمایاں ہوئے ہیں تاج
ہم کو شعورِ ذات نے کیا کیا بنا دیا





تکمیلِ تمنّا کا اثر دیکھ رہے ہیں
ہر حال میں ہم دیدۂ تر دیکھ رہے ہیں

سُنتے تھے کبھی آگ، ہواؤں کی کہانی
اب سامنے جلتا ہوا گھر دیکھ رہے ہیں

مانا کہ نکل آئے گا پھر صبح کو سورج
ہم لوگ ابھی نجم و قمر دیکھ رہے ہیں

اے بادِ صبا! پھول کہیں کیوں نہیں کھِلتے
بدلی ہوئی ہم تیری نظر دیکھ رہے ہیں

پلکوں پہ نظر آتی ہیں شمعیں کئی روشن
ظلمت میں اُجالوں کا سفر دیکھ رہے ہیں

آنا ہے تو آ تاج کہ یہ زندگی کم ہے
ہم راہ تری شام و سحر دیکھ رہے ہیں





ذکرِ رنج و الم نہیں کرتے
تذکرہ اُن کا ہم نہیں کرتے

چوٹ کھا کر بھی مُسکراتے ہیں
اپنی آنکھوں کو نم نہیں کرتے

ہیں جبیں پر نشاں تجلّی کے
اِس لئے سر کو خم نہیں کرتے

خیر مقدم ہی کرتے آئے ہیں
ہم تو توہینِ غم نہیں کرتے

کون سمجھائے خوشہ چینوں کو
فصلِ گُل میں ستم نہیں کرتے

ہو مبارک، شعورِ ترکِ وفا
آپ کرتے ہیں، ہم نہیں کرتے

تاجؔ اب توڑ دو یہ زنجیریں
اہلِ مقتل کرم نہیں کرتے





خیالوں میں اپنے نہ اب رنگ و بو ہے
مگر موسمِ گُل کی بھی جستجو ہے

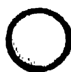
اے فصلِ بہاراں ادھر بھی چلی آ
ابھی تک بھی مجھ کو تری آرزو ہے

کبھی اُن کا طرزِ تکلّم نہ بدلا
وہی اُن کا لہجہ، وہی گفتگو ہے

مری دسترس میں نہیں زندگانی
مگر میرے خوابوں کی دنیا میں تُو ہے

ہمارے ہی گھر سے مسیحائی نکلی
ہمارے ہی گھر میں لہو ہی لہو ہے

تجھے آج میں نے تو دیکھا نہیں ہے
یہ محسوس ہوتا ہے تُو روبرو ہے





اُس وقت اپنا جینا بھی کتنا عذاب تھا
ہر شخص اپنے شہر میں عزّت مآب تھا

چہرہ ہمارا دیکھ کے تم مطمئن رہے
حالانکہ اپنے دل میں بہت اِضطراب تھا

ناکامیٔ حیات سے گھبرا رہے تھے لوگ
جو مسکرا رہا تھا، وہی کامیاب تھا

دامن میں لے کے آئے تھے ہم روشنی کے پھول
لیکن تمھارے شہر کا موسم خراب تھا

وہ بھی ڈھلک کے آپ کے دامن میں گر گیا
جس اشکِ غم میں درد کا سارا حساب تھا

کر کے سوال ہو گئے خاموش تا آج تم
یہ خاموشی تمھاری، ہمارا جواب تھا



ہماری فکر و نظر میں تو انقلاب نہ تھا
ہمارے دل میں کبھی اتنا اضطراب نہ تھا

نظر جھکا کے وہ اکثر یہاں سے گزرے ہیں
ہمارے چہرے پہ جس وقت بھی نقاب نہ تھا

تلاش کرتا رہا عمر بھر وہ گردِ سفر
کسی بھی موڑ پہ وہ شخص کامیاب نہ تھا

یہ اور بات کہ تعبیر مل گئی ورنہ
حقیقتوں کے مقابل تو کوئی خواب نہ تھا

تمہیں بتاؤ کہ کیوں انتشار اتنا ہے
تمہارے شہر کا موسم اگر خراب نہ تھا

زمانہ جس کو ہمیشہ ہی چاندنی سمجھا
تمہارا نام تھا وہ تاج، ماہتاب نہ تھا





کیوں شوقِ انقلاب میں دانائیاں نہیں
احساس کی یہاں کوئی پرچھائیاں نہیں

ذوقِ سفر جنوں کی حد میں ہی رہ گیا
محسوس یہ ہوا کہیں دشواریاں نہیں

تاریکیاں تو اور بھی حد سے سوا ہوئیں
اب مہر و ماہ میں بھی وہ تابانیاں نہیں

حالانکہ اپنی ذات میں سمٹے ہوئے ہیں ہم
دنیا سمجھ رہی ہے کہ تنہائیاں نہیں

ہے موسمِ بہار بھی، صحنِ چمن بھی ہے
کتنی عجیب بات ہے شادابیاں نہیں

ہم جانتے ہیں زندگی ہے تاجؔ تیرا نام
کیا تیرے ساتھ درد کی رسوائیاں نہیں





پھر گردشِ دوراں نے کیا ہے یہ اشارا
گزرے ہوئے لمحات نہ آئیں گے دوبارا

جو غم ہمیں دینا ہے کسی اور کو دیجئے
ہم کو تو نہیں کوئی بھی اعزاز گوارا

کچھ لوگ تمہیں بھی کہیں پہچان نہ جائیں
بھولے سے نہ لینا کبھی تم نام ہمارا

حالات نے ہم کو تو یہی درس دیا ہے
موجیں ہی سفینہ ہیں تو موجیں ہی کنارا

جینے کا سلیقہ نہ تھا یہ بات الگ ہے
ہر لمحہ صلیبوں پہ مگر ہم نے گزارا

آئی ہیں بہاریں بھی یہاں حادثہ بن کر
مقتل کی طرح لگتا ہے گلشن کا نظارا

یوں بھی تو کبھی گردشِ دوراں نہیں رکتی
اے تاج خدا جانے تمہیں کس نے پکارا





سونی تھی تیری راہگذر کس کو بولتے
ہم درمیاں تھے ملنے کے اگر کس کو بولتے

تو تو اپنے صبح نو کے لئے کیا نہیں کیا
روٹھی ہوئی تھی پھر بھی سحر کس کو بولتے

تنہائیوں کا غم لئے بزم نشاط میں
کوئی نہیں تھا حالِ جگر اس کو بولتے

کتنی شبوں کے زخم سہے جانتے ہیں ہم
تم ہی نہیں تھے نجم و قمر کس کو بولتے

تھے سارے لوگ پاسِ گریباں کی فکر میں
بھیگی ہوئی تھی اپنی نظر کس کو بولتے

تم نے تو آج اپنا فسانہ سنا دیا
ہم اپنے دل کا حال مگر کس کو بولتے





خوشیوں نے فسانے سنا دیئے کتنے
ہمارے اشکوں نے طوفاں اٹھا دیئے کتنے

جو اُن پہ گزری یہ خانہ بدوش کہہ دیں گے
امیرِ شہر نے خیمے جلا دیئے کتنے

سوال یہ کسی معمارِ شہر سے پوچھو
بنائے کتنے مکاں اور گرا دیئے کتنے

گلوں کو دیکھ کے ہوگا تمہیں بھی اندازہ
نسیمِ صبح نے آنسو بہا دیئے کتنے

یہ بات سچ ہے کہ سجدوں کی بڑھ گئی عظمت
جبیں نے نقشِ کفِ پا مٹا دیئے کتنے

تمہارے شوقِ گلستاں نے اب کے موسم میں
ہماری راہ میں کانٹے بچھا دیئے کتنے

بہت دنوں سے تھا ویران میرا دل اے تاج
ترے خیال نے گلشن سجا دیئے کتنے





پھر سمندر فریب دیتے ہیں
یہ سراسر فریب دیتے ہیں

سایا بن کر بھی ساتھ چلتے ہیں
کتنے پیکر فریب دیتے ہیں

اوڑھ کر منہ پہ آئینے کا نقاب
ہم کو پتھر فریب دیتے ہیں

اس عنایت کا کیا بھروسہ ہے
کیوں ستمگر فریب دیتے ہیں

دل کی آہوں کو نغمہ کہتے ہیں
یوں سخنور فریب دیتے ہیں

تاجؔ دل کو یقین کیسے ہو
سارے منظر فریب دیتے ہیں





نظر نظر میں جہاں اُن سے بات ہوتی ہے
وہی گھڑی تو مکمّل حیات ہوتی ہے

ہمیں بھی ہوتا ہے احساس آرزو اکثر
ہمارے دل میں بھی اک کائنات ہوتی ہے

یہاں ٹھہر کے ہو اندازہ کیسے منزل کا
کہ آگہی تو سفر میں ہی سات ہوتی ہے

نہ جانے کیسی یہ تنہائیوں کی دنیا ہے
یہاں پہ صبح نہیں ہوتی، رات ہوتی ہے

ہمارے لب پہ تبسّم بھی اب غنیمت ہے
غموں سے، درد سے کس کو نجات ہوتی ہے

ہمارے عزم سے اے تاج کچھ نہیں ہوتا
بس ایک گردشِ دوراں کو مات ہوتی ہے





ماتمِ بال و پر سے کیا ہوگا
نالۂ بے اثر سے کیا ہوگا

سلسلہ دُور تک ہے ظلمت کا
اِک چراغِ سحر سے کیا ہوگا

اب زمیں پر سنبھل کے چلنا ہے
آسمانوں کے ڈر سے کیا ہوگا

کوئی اِک سائباں تلاش کریں
اِس مسلسل سفر سے کیا ہوگا

ہر قدم راستہ بدلنا ہے
ایک ہی رہگذر سے کیا ہوگا

کر دیا ہم نے خونِ دل اپنا
اب کسی چارہ گر سے کیا ہوگا

تاج پہچانو زیست کو اپنی
اعتبارِ نظر سے کیا ہوگا





دل مرا لالہ زار کتنا ہے
زخمِ دل، پُربہار کتنا ہے

کیا بتاؤں میں تجھ کو چارہ گر
سانس لینا بھی بار کتنا ہے

اپنی صورت نظر نہیں آتی
آئینے پر غُبار کتنا ہے

ہم تو جیتے ہیں تیری مرضی سے
کیا کہیں، اختیار کتنا ہے

جس کو آنا ہے آ ہی جائے گا
دل مگر بے قرار کتنا ہے

نیند تو مجھ پہ ایک تہمت ہے
دیکھئے نا! خُمار کتنا ہے

تاجؔ اب بھی تمہارے شعروں میں
غمِ دل آشکار کتنا ہے





میری صدا یوں گونج رہی ہے
دُنیا حیراں ہو کے کھڑی ہے

میرے آنسو، اُن کا دامن
کیا بتلاؤں کیسی گھڑی ہے

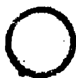
کہتا ہے یہ چارہ گر سے
دردِ دل میں تھوڑی کمی ہے

آؤ ہم تم مل کر ہنس لیں
رونے کو تو عُمر پڑی ہے

دیکھ کے میرے ذوقِ سفر کو
گردشِ دوراں ساتھ چلی ہے

شمعِ تمنّا پھونک دوں کیسے
مشکل سے یہ آج جلی ہے

تاجؔ کرو آغازِ سفر اب
رستہ نیا، منزل بھی نئی ہے





ناخدا چھوڑ گیا تھا بڑی دانائی سے
ہم اُبھر آئے ہیں ساحل پہ بھی گہرائی سے

مجھ کو معلوم نہیں چاک ہیں دامن کتنے
شاخِ گُل! صحنِ چمن میں تری انگڑائی سے

جن کو ہے ذوقِ سفر اُن سے یہ کہنا ہوگا
زخمِ ناسور بھی ہوتے ہیں شکیبائی سے

اِس توقع پہ تری بزم میں مِل جائے سکوں
ہم تو گھبرا کے چلے آئے تھے تنہائی سے

انتظار ہم کو ہے جن لوگوں کا آتے ہی نہیں
ہم کو کیا لینا ہے اب انجمن آرائی سے

مقتل و دار کا دستور تو بدلا لیکن
لوگ گھبراتے ہیں اِس دورِ مسیحائی سے

تاجؔ یہ بات تمہیں لوگ بتائیں گے کبھی
کتنے گھر ہو گئے روشن مری بینائی سے





آپ کو غمگسار کرنا ہے
پھر ذرا اشکبار کرنا ہے

ہے یقیں مجھ کو آپ آئیں گے
اِس لئے انتظار کرنا ہے

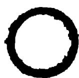
آپ مجھ پر یقیں کریں نہ کریں
مجھ کو تو اعتبار کرنا ہے

رات گزرے کہ صبح آئے مگر
وقت پر انحصار کرنا ہے

فصلِ گُل سازگار ہو کہ نہ ہو
اہتمامِ بہار کرنا ہے

کوئی تو میرے گھر بھی آئے گا
راستہ زرنگار کرنا ہے

تاج صحرا سے ہم گزر آئے
پھر بھی دریا کو پار کرنا ہے





گلشن میں بہاروں کے یہ آثار ملے ہیں
کچھ پھولوں کے چہرے ہمیں بیمار ملے ہیں

لگتا ہے ترے شہر میں ہنگامہ ہوا ہے
کچھ لوگ ہمیں شب کو بھی بیدار ملے ہیں

ہم اہلِ خرد سے بھی یہاں رل نہیں پائے
دیوانے ہمیں یوں تو سرِ دار ملے ہیں

یہ ذوقِ سفر تو نہیں یہ ترکِ سفر ہے
سب قافلے ہم کو پسِ دیوار ملے ہیں

مجبور تھے عادت سے سزا دے نہیں پائے
ہم کو بھی بہت لوگ خطا کار ملے ہیں

منصوبہ بنایا ہے نئے شہر کا ہم نے
جب سارے مکاں شہر کے مسمار ملے ہیں

نیرنگیٔ دنیا کا تماشہ ہے یہ اے تاجؔ
کشکول نئے ہاتھوں میں سردار ملے ہیں





ہم سے پوچھو نہ کیوں ہیں نم دیدہ
دل میں ہے ایک راز پوشیدہ

دورِ آذر میں وہ بھی ٹوٹ گئے
جو صنم تھے یہاں تراشیدہ

اتنے پتھر سمیٹ لائے تھے
اپنا دامن ہوا ہے بوسیدہ

جانے کیا کہہ کے ہنس پڑی شبنم
آسماں ہو گیا ہے سنجیدہ

اپنی منزل تو پا ہی لیں گے ہم
ویسے یہ راستے ہیں پیچیدہ

جانے کیا بات ہو گئی ہے تاج
لوگ سب ہو گئے ہیں رنجیدہ



کون کہتا ہے رات باقی ہے
بات یہ ہے کہ بات باقی ہے

مدتوں زندگی کے ساتھ رہے
زندگی سے نجات باقی ہے

پھول کھلتے ہیں کتنی قبروں پر
خاک میں بھی حیات باقی ہے

کچھ ادھوری ادھوری تحریریں
یہی کل کائنات باقی ہے

قافلے کیوں رکے رکے سے ہیں
کیا کوئی واردات باقی ہے

رات ہے یوں تو بے ثبات مگر
صبح سے پہلے رات باقی ہے

غم نہ کر تاج دل کے مٹنے کا
شکر کر تیری ذات باقی ہے



...



انہیں اعتبارِ محبت کہاں ہے
ملیں ہم اُن سے کیسے، کوئی درمیاں ہے

سمیٹے نہ رکھنا کبھی بال و پر کو
رہائی میں پوشیدہ پھر امتحاں ہے

ابھی تک یہاں پر تو کچھ بھی نہ بدلا
وہی زندگی ہے، وہی داستاں ہے

مری زندگی ہے مُسلسل سفر میں
یہاں سے وہاں تک فقط آسماں ہے

خدا جانے یہ کونسی رہ گزر ہے
خبر ہی نہیں ہے کہاں کارواں ہے

اُجالوں سے نسبت کبھی ہوگی اے تاجؔ
ابھی تو شبِ غم مری رازداں ہے





یہ احساس مجھ کو رُلاتا رہا ہے
کوئی یاد کر کے بھلاتا رہا ہے

زمینِ چمن دے رہی ہے پتہ یہ
کوئی موسمِ گل میں آتا رہا ہے

جھکی جا رہی ہیں اُسی کی نگاہیں
جو تاروں سے آنکھیں ملاتا رہا ہے

اندھیرے مکاں کی نئی چوکھٹوں پر
کوئی ہے جو شمعیں جلاتا رہا ہے

مرا ہمسفر ہے یہ دورِ ستم ہی
قدم سے قدم جو ملاتا رہا ہے

ہے آدابِ محفل سے اُس کا بھی رشتہ
جو ہر روز محفل سجاتا رہا ہے

اسیری میں اے تاج ہمت نہ ٹوٹی
یہ دل پھر بھی نغمے سناتا رہا ہے





ہے رقص میں ماحول کا انداز مسلسل
بجتا ہے غمِ زیست کا ہر ساز مسلسل

کچھ لوگ ابھی تک بھی ہیں زندانِ الم میں
کرتے ہیں مگر کوششِ پرواز مسلسل

ہے ظرف کی یہ بات کہ کچھ کہہ نہیں پاتے
پیہم ہیں سبھی درد کے غمّاز مسلسل

ہم لوگ تو وہ ہیں کہ جفا کر نہیں سکتے
اس پر بھی ہمیں ملتا ہے اعزاز مسلسل

اے زندگی ہم ڈھونڈنے نکلے تھے تجھی کو
دیتا رہا ہم کو کوئی آواز مسلسل

وہ ترکِ وفا ہو کہ وہ تکمیلِ وفا تاج
انجامِ تمنّا تو ہے آغاز مسلسل





زندگی! دیکھ کیا تماشہ ہے
میں بھی رسوا ہوں تو بھی رسوا ہے

میں نے گلشن کا خواب دیکھا تھا
میری آنکھوں میں اب بھی صحرا ہے

کون کہتا ہے تشنہ لب ہوں میں
میری آنکھوں میں ایک دریا ہے

جل رہے ہیں چراغ سجدوں کے
جانے کس آستاں کا رستہ ہے

گزرے لمحوں کے ساتھ رہ کر بھی
دورِ حاضر سے اپنا رشتہ ہے

دل کی حالت نہ پوچھئے ہم سے
پہلے تنہا تھا اب بھی تنہا ہے

اس کو دریا سمجھ کے پی لے تاجؔ
تیرے ساغر میں جو بھی قطرہ ہے





زندگی موجِ غم تھی، مچلتی رہی
آرزو ہر قدم پہ سنبھلتی رہی

قید میں بھی تمنّا تھی پرواز کی
رقص کرتی رہی اور بہلتی رہی

وہ نہ آئے تو ان کا پیام آگیا
اُن سے ملنے کی حسرت نکلتی رہی

مجھ کو خوابوں کے سائے میں نیند آگئی
اور پہلو شبِ غم، بدلتی رہی

اہلِ ساحل نے طوفاں اُٹھائے مگر
میری کشتی کو چلنا تھا، چلتی رہی

جب مجھے آگئیں راس تاریکیاں
وہ نہ آئے تو کیا، شمع جلتی رہی

ایسا ہی تا آج ہوتا رہا صبح تک
شمع جلتی رہی، اور پگھلتی رہی





زخموں کے گلستاں کبھی ویراں نہیں ہوتے
ہم آبلہ پائی سے پریشاں نہیں ہوتے

ہم جیسی کئی بدلی ہوئی شکلیں ملیں گی
آئینے ہمیں دیکھ کے حیراں نہیں ہوتے

ہم آج تلک بھی ہیں اُسی عہد پہ قائم
ہم آپ کی محفل سے گریزاں نہیں ہوتے

حالانکہ ہر اک سمت ہیں ویرانیاں کتنی
اب چاک مگر لوگوں کے داماں نہیں ہوتے

تسلیم تو کر لیتے ہیں وہ جبرِ وفا کو
جب سامنے ہوتے ہیں پشیماں نہیں ہوتے

اے تاج حفاظت کا بھی دعویٰ ہے انہیں کو
جو لوگ کہ خود اپنے نگہباں نہیں ہوتے





اُجالا سا ہم کو نظر آ رہا ہے
ہر اک لب پہ ذکرِ سحر آ رہا ہے

تمہیں اک اکیلے مہاجر نہیں ہو
ہمارا بھی وقتِ سفر آ رہا ہے

بہت تیز ہونے لگی دل کی دھڑکن
کہ جیسے کوئی نامہ بر آ رہا ہے

سُنا ہے کہ اُن کی بھی پُر نم ہیں آنکھیں
مری اب زباں میں اثر آ رہا ہے

یہ محسوس ہوتا ہے تنہائیوں میں
کوئی چُپکے چُپکے اِدھر آ رہا ہے

نہیں تاج آگے کوئی اور منزل
یہ کہنے مرا راہبر آ رہا ہے





عمر بھر کرتے رہے ہیں ہم بھی ارمانِ حیات
ہاتھ میں اپنے نہ آیا پھر بھی دامانِ حیات

زندگی کے نام پہ جب تھوڑی سانسیں بچ گئیں
پاس آیا میرا قاتل لے کے سامانِ حیات

ساری دانائی خردمندوں کی آخر رہ گئی
ہو گیا اہلِ جنوں کو جب بھی عرفانِ حیات

فصلِ گل میں بڑھ گئی ہے آرزو پرواز کی
جانے کس دن لے اڑے گا مجھ کو زندانِ حیات

ہم کو بھی دیوانگی کا تھوڑا اندازہ ہوا
گر رہی تھی ہاتھ سے جس وقت میزانِ حیات

وہ کریں گے تا ج کیا اوروں کے زخموں کا علاج
جن کو سینا ہی نہیں آیا گریبانِ حیات





ہم آبلہ پائی کی بھی پروا نہیں کرتے
چھاؤں کی سفر میں بھی تمنّا نہیں کرتے

چلتے ہیں یہاں تازہ ہواؤں کی طرح ہم
کچھ بھی ہو کبھی راہ میں ٹھہرا نہیں کرتے

یہ کونسا موسم ہے کہ خاموش فضا ہے
اب لوگ بہاروں کا بھی سودا نہیں کرتے

بے معنیٰ ہیں اپنے لئے یہ طوق و سلاسل
دیواریں جو اونچی ہوں تو دیکھا نہیں کرتے

جائیں گے کہاں پھر یہ زمانے کے اندھیرے
اِس واسطے ہم گھر میں اُجالا نہیں کرتے

خود آپ مرا دَور یہاں دیکھ چکے ہیں
اب ارض و سما بھی مجھے رسوا نہیں کرتے

کچھ ایسے مہاجر بھی ہیں اِس شہر میں اے تاجؔ
خیمے تو لگاتے ہیں بسیرا نہیں کرتے





یہ اہتمامِ عقیدت تو اک بہانہ ہے
ہمیں تو آپ کے آگے ہی سر جھکانا ہے

میں بے سہارا سہی پھر بھی سوچنا ہے مجھے
سنا ہے پاس یہیں کوئی آستانہ ہے

یہ اور بات کہ ترکِ ستم کیا تم نے
یہ التفاتِ نظر بھی تو اِک بہانہ ہے

عجیب رنگ ہے اب کے سفر کا اپنے لئے
ہمارے ساتھ نہیں تم مگر زمانہ ہے

ہمارے تارِ نفس کس قدر ہوئے خاموش
نہیں ہے ساز مگر ہم کو گنگنانا ہے

ہے کون جا کے جو سمجھائے ناخداؤں کو
ڈبو کے کشتی انہیں بھی تو ڈوب جانا ہے

چمن میں رہ کے بھی تم اشکبار رہو اے تاج
تمہیں تو دار پہ جا کر بھی مسکرانا ہے





اُجالا سا ہم کو نظر آ رہا ہے
ہر اک لب پہ ذکرِ سحر آ رہا ہے

تمہیں اک اکیلے مہاجر نہیں ہو
ہمارا بھی وقتِ سفر آ رہا ہے

بہت تیز ہونے لگی دل کی دھڑکن
کہ جیسے کوئی نامہ بر آ رہا ہے

سُنا ہے کہ اُن کی بھی پُرنم ہیں آنکھیں
مری اب زباں میں اثر آ رہا ہے

یہ محسوس ہوتا ہے تنہائیوں میں
کوئی چُپکے چُپکے اِدھر آ رہا ہے

نہیں تاج آگے کوئی اور منزل
یہ کہنے مرا راہبر آ رہا ہے





عمر بھر کرتے رہے ہیں ہم بھی ارمانِ حیات
ہاتھ میں اپنے نہ آیا پھر بھی دامانِ حیات

زندگی کے نام پر جب تھوڑی سانسیں بچ گئیں
پاس آیا میرا قاتل، لے کے سامانِ حیات

ساری دانائی خردمندوں کی آخر رہ گئی
ہو گیا اہلِ جنوں کو جب بھی عرفانِ حیات

فصلِ گل میں بڑھ گئی ہے آرزو پرواز کی
جانے کس دن لے اُڑے گا مجھ کو زندانِ حیات

ہم کو بھی دیوانگی کا تھوڑا اندازہ ہوا
گر رہی تھی ہاتھ سے جس وقت میزانِ حیات

وہ کریں گے تا بہ کَے اوروں کے زخموں کا علاج
جن کو سینا ہی نہیں آیا گریبانِ حیات





ہم آبلہ پائی کی بھی پروا نہیں کرتے
چھاؤں کی سفر میں بھی تمنا نہیں کرتے

چلتے ہیں یہاں تازہ ہواؤں کی طرح ہم
کچھ بھی ہو کبھی راہ میں ٹھہرا نہیں کرتے

یہ کونسا موسم ہے کہ خاموش فضا ہے
اب لوگ بہاروں کا بھی سودا نہیں کرتے

بے معنی ہیں اپنے لئے یہ طوق و سلاسل
دیواریں جو اونچی ہوں تو دیکھا نہیں کرتے

جائیں گے کہاں پھر یہ زمانے کے اندھیرے
اِس واسطے ہم گھر میں اُجالا نہیں کرتے

خود آپ مرا دور یہاں دیکھ چکے ہیں
اب ارض و سما بھی مجھے رسوا نہیں کرتے

کچھ ایسے مہاجر بھی ہیں اِس شہر میں اے تاج
خیمے تو تے ہیں بسیرا نہیں کرتے





یہ اہتمام عقیدت تو اک بہانہ ہے
ہمیں تو آپ کے آگے ہی سر جھکانا ہے

میں بے سہارا سہی پھر بھی سوچتا ہے مجھے
سُنا ہے پاس یہیں کوئی آستانہ ہے

یہ اور بات کہ ترکِ ستم کیا تم نے
یہ التفاتِ نظر بھی تو اِک بہانہ ہے

عجیب رنگ ہے اب کے سفر کا اپنے لئے
ہمارے ساتھ نہیں تم مگر زمانہ ہے

ہمارے تارِ نفس کس قدر ہوئے خاموش
نہیں ہے ساز مگر ہم کو گنگنانا ہے

ہے کون جا کے جو سمجھائے ناخداؤں کو
ڈبو کے کشتی انہیں بھی تو ڈوب جانا ہے

چمن میں رہ کے بھی تم اشکبار رہو اے تاج
تمہیں تو دار پہ جا کر بھی مسکرانا ہے





جو تجھ پہ گزری ہے وہ سب پہ آشکار نہ کر
سوائے اپنے کسی کا بھی اِعتبار نہ کر

یقیں نہیں کہ کوئی پھر اِدھر سے گزرے گا
چراغ، دل کا جلا پھر بھی انتظار نہ کر

دیارِ دل میں ابھی کچھ سکون باقی ہے
خدایا! دل کو مرے اُن کی رہگذار نہ کر

زمانہ بیت گیا ترکِ مدّعا کر کے
ہمارا اہلِ طلب میں کبھی شمار نہ کر

رفو گروں کی کمی ہے تلاش کر پہلے
ابھی تو دامنِ دل اپنا تار تار نہ کر

جہاں میں تاجِ خوشی سب کو مل نہیں سکتی
تو اپنے دل کو کبھی اِتنا سوگوار نہ کر





بے فیض دن گزارے ہیں فصلِ بہار کے
مُرجھا گئے ہیں پھول سبھی انتظار کے

تشنہ لبوں کو کوئی شکایت نہ ہونے پائے
ساغر نہ ٹوٹ جائیں کہیں اعتبار کے

اپنے پروں میں خود ہی سمٹنا پڑا ہمیں!
کم ہو گئے تھے دائرے جب اختیار کے

یہ زندگی فریب، تبسّم بھی ہے فریب
یہ کیسے رنگ ہو گئے لیل و نہار کے

دامن بھی تار تار تھا، زخمی بدن بھی تھے
جانا پڑا چمن سے یونہی دن گزار کے

گُمراہ تاج ہو گئے سب رہروانِ شوق
رستے بڑے عجیب تھے تیرے دیار کے





ہوتی ہے زمانے سے مری بات ابھی تک
باقی ہیں کئی اس سے شکایات ابھی تک

یوں تو ہے زمانے کی مسرت مجھے حاصل
ہوتی ہے ترے غم سے ملاقات ابھی تک

پہلے کی طرح اب تہی دامن تو نہیں ہوں
کچھ لوگوں کی مجھ پر ہیں عنایات ابھی تک

بچھڑے ہوئے اُن سے تو زمانہ ہوا لیکن
چلتا ہے کوئی جیسے مرے ساتھ ابھی تک

دوبارہ کبھی زیست میں آئے نہیں لیکن
ہم بھول نہیں پائے وہ لمحات ابھی تک

پہلے کی طرح تاجؔ تری آنکھیں ہیں پُرنم
بدلے نہیں شائد ترے حالات ابھی تک





یہ وقت اگر مجھ سے یوں انجان رہے گا
تم دیکھنا اک دن وہ پشیمان رہے گا

اِس دل سے شمعوں کو جلائے ہوئے رکھنا
محفل میں اندھیروں کا بھی اِمکان رہے گا

یہ سوچ کے ہم زخمی بدن آئے یہاں تک
زنداں میں بہاروں کا بھی سامان رہے گا

دریا میں تلاطم بھی ہوا کرتا ہے لیکن
اب کے تو سفینوں میں بھی طوفان رہے گا

اُس کو بھی صلیبوں سے بچا لائیں گے کچھ لوگ
جو شخص مرے درد کی پہچان رہے گا

ہر سمت نظر آئے گی جب آپ کی صورت
آئینہ مرے ہاتھوں میں حیران رہے گا

دل خوش ہے مرا تاج بہت آپ سے مل کر
جب آپ نہ ہوں اور پریشان رہے گا





روشن کہاں ہیں آپ کے نقشِ قدم ابھی
کچھ سوچ کر کھڑے ہیں سرِ راہ ہم ابھی

ساحل نواز موجیں ابھی ہم سے دور ہیں
طوفاں سے ہمکنار نہیں چشمِ نم ابھی

آئینہ ساز لوگ نہ جانے کہاں گئے
در در بھٹکتے رہتے ہیں کتنے صنم ابھی

ان بجلیوں کو چین سے جینے نہ دیں گے ہم
ہم تو منا رہے ہیں نشیمن کا غم ابھی

مجھ کو تو اپنے تنگیٔ دامن کی فکر ہے
آمادۂ کرم ہے وہ دستِ کرم ابھی

طرزِ سخن پہ تاجؔ کے حیران کیوں ہیں آپ
دیکھا کہاں ہے آپ نے زورِ قلم ابھی





عالم ہے شبِ غم کا، یہ تنہائی بہت ہے
ماضی کی مجھے ایسے میں یاد آئی بہت ہے

اوروں کو ہوا کرتی ہے مرہم کی ضرورت
میرے لئے لفظوں کی مسیحائی بہت ہے

اب ہم نہیں کھائیں گے یہاں خضر سے دھوکہ
جینے کے لئے لالۂ صحرائی بہت ہے

اشکوں کے سمندر کا نہیں کوئی بھی ساحل
اب موجِ تبسّم میں بھی گہرائی بہت ہے

ہر طرح سے ہم آج بہت ٹوٹ چکے ہیں
ہم کو تری تھوڑی سی پذیرائی بہت ہے

اندازِ تخاطب ہے ترا تاجؔ مؤثّر
باتوں میں بھی لیکن تری دانائی بہت ہے





آنکھوں میں بسالیں تجھے، یا دل میں سجالیں
اے خوابِ تمنّا تجھے کس طرح چھپالیں

ہم خود کو سجالیں گے، سنواریں گے بھی لیکن
پہلے ذرا پتھر کو تو آئینہ بنالیں

کچھ لوگ خفا ہیں تو خفا رہنے دو اُن کو
وابستہ جو ہم سے ہیں اُنہیں اپنا بنالیں

پھولوں پہ کبھی آنچ نہ آئے گی چمن میں
اچھا ہے جو کانٹوں ہی سے دامن کو بچالیں

ہو جائے گا گلشن میں اُجالا تو یقیناً
تنکے جو اُٹھا رکھتے ہیں ہم اُن کو جلالیں

بڑھ جائے گی اے تاج تمہاری بھی ضیاء اور
ہم چاند ستاروں کو اگر پاس بُلالیں





پھر چاند ستارے بھی نظر آنے لگے ہیں
بھولے تھے جو رستہ وہی گھر آنے لگے ہیں

زنداں میں کبھی اتنا اجالا تو نہیں تھا
جھونکے بھی ہواؤں کے ادھر آنے لگے ہیں

خوشبو کا ہوا ہے مجھے احساس سفر میں
کیا شاخِ تمنّا پہ ثمر آنے لگے ہیں

شائد وہ سمجھ بیٹھے ہیں میں راہ نما ہوں
پھر ساتھ مرے اہلِ سفر آنے لگے ہیں

جس شئے کو بھی میں چھو لوں وہ شہ پارہ بنے گی
ہاتھوں میں مرے دستِ ہنر آنے لگے ہیں

اِک وقت تھا اسے تاج نہ تھا پوچھنے والا
اب ساتھ ترے شمس و قمر آنے لگے ہیں





دنیا سے ہمیں شکوے شکایات کہاں ہیں
پہلے کی طرح اپنے وہ حالات کہاں ہیں

سب لوگ نیا شہر بسانے میں ہیں مصروف
یہ کون بتائے گا، مکانات کہاں ہیں

موجود ہوں محفل میں سبھی دیکھ رہے ہیں
یہ کس کو خبر ہے کہ خیالات کہاں ہیں

جن سے کہ مرے ہاتھوں میں اب تک ہیں کئی زخم
ٹوٹے ہوئے شیشے کے وہ ذرّات کہاں ہیں

مانا کہ مری زیست کتابوں کی طرح ہے
جس پر تھا مرا نام وہ صفحات کہاں ہیں

اے گردشِ دوراں! مجھے بس اتنا بتا دے
جو چھین لئے تو نے، وہ لمحات کہاں ہیں

یہ دورِ تمنّا بھی عجب دور ہے اے تاجؔ
جو لوگ مرے ساتھ تھے اب سات کہاں ہیں





رستہ ہمارے سامنے مانا وفا کا ہے
اب درمیاں فاصلہ ارض و سما کا ہے

کیا جانے کون آیا ہے دامن سمیٹ کر
اہلِ چمن کو آج بھی دھوکہ صبا کا ہے

رہبر سمجھ کے آپ کو سب لوگ چل پڑے
سارا قصور آپ کی آوازِ پا کا ہے

یہ زندگی فریب، تمنّا فریب ہے
یہ گرمیٔ حیات بھی جھونکا ہوا کا ہے

کس کو ملی ہے منزلِ عرفاں نہ پوچھئے
یہ بھی کرشمہ صاحبِ دستِ عطا کا ہے

میں زندگی ہوں تا آج ترے آس پاس ہوں
اب انتظار مجھ کو بھی تیری صدا کا ہے





کب اپنا شبِ غم سے تصادم نہیں ہوتا
ہونٹوں پہ مگر پھر بھی تبسّم نہیں ہوتا

کیا دل کی صدا سے مری مانوس نہیں تم؟
کیا ٹوٹتے شیشوں میں ترنّم نہیں ہوتا؟

الفاظ کی گرمی سے سبق ہم نے لیا ہے
مفہوم کی وسعت میں کوئی گم نہیں ہوتا

ہر طرح کی باتوں کو یہاں ہم نے سُنا ہے
خاموشی کا یہ طرزِ تکلّم نہیں ہوتا

ظاہر ہے کہ بنتا ہے فریبوں کا نشانہ
صحرا کے سرابوں میں تلاطم نہیں ہوتا

سُنتے ہیں تری ذات کا افسانہ سبھی تاج
لیکن کوئی اک شخص بھی گم صم نہیں ہوتا





برس رہا ہے پھر ابرِ بہار آنکھوں سے
زمینِ دشت ہوئی لالہ زار آنکھوں سے

مرے خلاف نہیں جائے گا غمِ دوراں
کیا ہے اُس نے بھی قول و قرار آنکھوں سے

یہ مانا ہم سے کوئی بے نیاز رہتا ہے
ٹپک رہا ہے مگر انتظار آنکھوں سے

پلٹ کے آئے وہ دوبارہ پھر نہ جائے کہیں
تجھے اِس طرح سے کسی کو پکار آنکھوں سے

کسی بھی رات نہ خوابوں کی گفتگو کیجیے
ابھی ابھی تو گیا ہے خمار آنکھوں سے

ہمیں نے تاج اُجالے یہاں پہ پھیلائے
اُٹھایا خوابِ تمنّا کا بار آنکھوں سے





دنیا سے ہمیں شکوے شکایات کہاں ہیں
پہلے کی طرح اپنے وہ حالات کہاں ہیں

سب لوگ نیا شہر بسانے میں ہیں مصروف
یہ کون بتائے گا، مکانات کہاں ہیں

موجود ہوں محفل میں سبھی دیکھ رہے ہیں
یہ کس کو خبر ہے کہ خیالات کہاں ہیں

جن سے کہ مرے ہاتھوں میں اب تک ہیں کئی زخم
ٹوٹے ہوئے شیشے کے وہ ذرّات کہاں ہیں

مانا کہ مری زیست کتابوں کی طرح ہے
جس پر تھا مرا نام وہ صفحات کہاں ہیں

اے گردشِ دوراں! مجھے بس اتنا بتا دے
جو چھین لئے تو نے، وہ لمحات کہاں ہیں

یہ دورِ تمنّا بھی عجب دور ہے اے تاجؔ
جو لوگ مرے ساتھ تھے اب سات کہاں ہیں





رستہ ہمارے سامنے مانا وفا کا ہے
اب درمیان فاصلہ ارض و سما کا ہے

کیا جانئے کون آیا ہے دامن سمیٹ کر
اہلِ چمن کو آج بھی دھوکہ صبا کا ہے

رہبر سمجھ کے آپ کو سب لوگ چل پڑے
سارا قصور آپ کی آوازِ پا کا ہے

یہ زندگی فریب، تمنّا فریب ہے
یہ گرمئ حیات بھی جھونکا ہوا کا ہے

کس کو ملی ہے منزلِ عرفاں نہ پوچھئے
یہ بھی کرشمہ صاحبِ دستِ عطا کا ہے

میں زندگی ہوں تا ابد ترے آس پاس ہوں
اب انتظار مجھ کو بھی تیری صدا کا ہے





آنکھوں میں بسالیں تجھے، یا دل میں سجالیں
اے خوابِ تمنّا تجھے کس طرح چھپالیں

ہم خود کو سجالیں گے، سنواریں گے بھی لیکن
پہلے ذرا پتھّر کو تو آئینہ بنالیں

کچھ لوگ خفا ہیں تو خفا رہنے دو اُن کو
وابستہ جو ہم سے ہیں اُنہیں اپنا بنالیں

پھولوں پہ کبھی آنچ نہ آئے گی چمن میں
اچھا ہے جو کانٹوں ہی سے دامن کو بچالیں

ہو جائے گا گلشن میں اُجالا تو یقیناً
تنکے جو اُٹھا رکھتے ہیں ہم اُن کو جلالیں

بڑھ جائے گی اے تاج تمہاری بھی ضیاء اور
ہم چاند ستاروں کو اگر پاس بُلالیں





پھر چاند ستارے بھی نظر آنے لگے ہیں
بھولے تھے جو رستہ وہی گھر آنے لگے ہیں

زنداں میں کبھی اتنا اُجالا تو نہیں تھا
جھونکے بھی ہواؤں کے اِدھر آنے لگے ہیں

خوشبو کا ہوا ہے مجھے احساس سفر میں
کیا شاخِ تمنّا پہ ثمر آنے لگے ہیں

شائد وہ سمجھ بیٹھے ہیں میں راہ نما ہوں
پھر ساتھ مرے اہلِ سفر آنے لگے ہیں

جس شئے کو بھی میں چھُو لوں وہ شہ پارہ بنے گی
ہاتھوں میں مرے دستِ ہُنر آنے لگے ہیں

اِک وقت تھا اے تاجؔ نہ تھا پوچھنے والا
اب ساتھ ترے شمس و قمر آنے لگے ہیں





اُجالوں کے کرتے ہیں سامان کیا کیا
چراغوں کے ہم کو ہیں ارمان کیا کیا

بجھی شمع اور یہ دھواں اُٹھ رہا ہے
سحر کے بھی ہوتے ہیں اِمکان کیا کیا

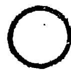
کبھی آرزو ہے، کبھی حسرتیں ہیں
مقابل ہیں اپنے بھی طوفان کیا کیا

تبسّم، ترنّم، تکلّم، تخاطب
بنائی ہے ہم نے بھی پہچان کیا کیا

بدلتے لباسوں میں موسم کی صورت
مرے پاس آتے ہیں مہمان کیا کیا

یہاں تاج کوئی نہیں آج اپنا
کئے تھے یہاں ہم نے ارمان کیا کیا





مقتل ہمارے واسطے اور دار رہ گئے
ہم پھر بھی منزلوں کے طلبگار رہ گئے

کچھ نازِ رہبری میں وہ آگے نکل گئے
کچھ ہم سفر کے شوق میں سرشار رہ گئے

ہمّت بڑھا سکی نہ پروں کی شکستگی
اُڑنے کا حوصلہ لئے ہر بار رہ گئے

مدّت بہت ہی کم ہے سُناؤں میں کس طرح
دن زندگی کے واسطے دو چار رہ گئے

کی تھی جنھوں نے خون سے آرائش چمن
پھولوں کے بدلے اُن کے لئے خار رہ گئے

اے تاج آرزوؤں کے صحرا بسیط تھے
اچھا ہوا جو یادوں کے گلزار رہ گئے





زخموں کو ہر اک دل سے جدا میں نے کیا ہے
یہ کام زمانے میں سدا میں نے کیا ہے

تزئینِ گلستاں کا سبب پوچھنے والو
کیا موسمِ گل کو بھی خفا میں نے کیا ہے

الزامِ جفا دینے میں وہ سب سے ہیں آگے
جن لوگوں کو پابندِ وفا میں نے کیا ہے

منزل پہ پہنچ کر کبھی مغرور نہ ہوتا
روشن تری راہوں میں دیا میں نے کیا ہے

اِس طرح کیا کرتے ہیں کچھ لوگ تعاقب
جیسے کہ ہر اک زخم عطا میں نے کیا ہے

ہیں تاج کے دامن میں مہکتے ہوئے کچھ پھول
یہ جرم بھی اے بادِ صبا میں نے کیا ہے





کیسے پروانے ہیں تنویر سے جل جاتے ہیں
جلوۂ حسن کی تاثیر سے جل جاتے ہیں

کون سنتا ہے یہاں شعلہ بیانی میری
سب میری گرمیٔ تحریر سے جل جاتے ہیں

ہم کو معلوم ہے کیا ہوتا ہے پھولوں کا مزاج
وہ تو شبنم کی ~~[illegible]~~ سے جل جاتے ہیں
بھی تاثیر

پوچھنا یہ بھی ہے اب اہلِ ہنر سے مجھ کو
آئینے کیوں مری تصویر سے جل جاتے ہیں

جسم جلتے نہیں احساس کی گرمی سے کبھی
تپشِ حلقۂ زنجیر سے جل جاتے ہیں

آج اِس بات کا افسوس رہے گا مجھ کو
لوگ اب بھی مری توقیر سے جل جاتے ہیں





یہ التفاتِ لطف و کرم اور بات ہے
دنیا سے مل رہے ہیں جو غم اور بات ہے

بے اختیار ہم نے جھکایا ہے اپنا سر
یہ امتیازِ دیر و حرم اور بات ہے

اشکوں کو یونہی بہنے کی عادت سی ہو گئی
کرتا نہیں ہے کوئی ستم اور بات ہے

حالات زندگی کے، کتابوں میں بند ہیں
رُکتا نہیں ہے اپنا قلم اور بات ہے

مانا کہ اپنی راہ میں منزل نہیں کوئی
بڑھتے ہیں پھر بھی اپنے قدم اور بات ہے

ہم چل رہے ہیں اب بھی اندھیروں کے ساتھ ساتھ
رکھتے ہیں روشنی کا بھرم اور بات ہے

ہم تا آج زندگی کے تقاضوں کے دور میں
بھرتے ہیں زندگانی کا دم اور بات ہے



کبھی تو شہر کے موسم خراب ہوتے ہیں
کبھی نظر میں بہاروں کے خواب ہوتے ہیں

جو لوگ چلتے ہوئے راہ میں نہیں رکتے
وہی تو لوگ یہاں کامیاب ہوتے ہیں

تمام اہلِ جنوں کو یہ یاد رکھنا ہے
خموشیوں میں بھی کچھ انقلاب ہوتے ہیں

نفس نفس میں کہانی دلوں کی ہوتی ہے
قدم قدم پہ محبت کے باب ہوتے ہیں

خزاں نصیبوں کی ہم پر نگاہ رہتی ہے
ہمارے ہاتھ میں جب بھی گلاب ہوتے ہیں

تمہیں بھی کرنا ہے اے تاج اس کا اندازہ
رہِ حیات میں کتنے سراب ہوتے ہیں





چلنے کے لئے ہم کبھی تیار نہیں تھے
یہ بات الگ ہے پس دیوار نہیں تھے

پھر کون صلیبوں سے اٹھا لایا ہے تجھ کو
جب آپ مرے ساتھ سردار نہیں تھے

قاتل کو سمجھ بیٹھے ہیں سب لوگ مسیحا
اتنے تو کبھی شہر میں بیمار نہیں تھے

وہ لوگ ہیں خود اپنی جفاؤں پہ پشیماں
جو لوگ ہمارے کبھی غمخوار نہیں تھے

ٹوٹے ہوئے گھر کو مرے دوبارہ بناتے
سب لوگ تھے لیکن ہمیں معمار نہیں تھے

ہم سیر چمن کے لئے آئے تھے یہاں تا آج
دیکھا تو بہاروں کے بھی آثار نہیں تھے





یہ حال ہو گیا ہے دل کا، جگر کا، جاں کا
ہر لمحہ زندگی کا لگتا ہے امتحاں کا

اب تک بھی میرے لب پر نغمے ہیں فصلِ گُل کے
منظر نظر میں اب تک باقی ہے گلستاں کا

سارا زمانہ میرے ہمراہ چل رہا ہے
ڈر ہے بدل نہ جائے پھر رنگ آسماں کا

کس راہ سے نہ جانے گزرے ہیں اہلِ منزل
ملتا نہیں نشاں بھی اب ہم کو کارواں کا

پہنچیں گے کس طرح ہم، اس سوچ میں ہی گُم ہیں
مقتل سے کم نہیں ہے رستہ ترے مکاں کا

ہم مطمئن نہیں اب خود آپ ہی بتائیں
کس طرح تا بہ تاج ہو گا، انجام داستاں کا





شورِ نغمہ بھی نہیں، رقص نہیں، ساز نہیں
زندگی! پہلے کی صورت ترا انداز نہیں

ایک سناٹا مری ذات کے اندر ہے ابھی
دل کی دھڑکن کے سوا کوئی بھی آواز نہیں

آج تک بامِ قفس پہ ہیں بہاروں کے نشاں
کون کہتا ہے مجھے طاقتِ پرواز نہیں

سب کے چہروں پہ ابھی تک ہے تبسّم کا نقاب
کیا تماشہ ہے کوئی درد کا غمّاز نہیں

ہم کو یوں ترکِ تکلّم سے نہ رسوا کیجیے
خاموشی طرزِ ستم ہے کوئی اعزاز نہیں

ایسی کیا بات ہوئی تاؔج ذرا سوچ بھی لو
موسمِ گُل کا ابھی تک، کہیں آغاز نہیں





یہ زندگی ہے کیسی، کیسا ہے لمحہ لمحہ
احساسِ تشنگی میں ڈوبا ہے لمحہ لمحہ

افسانے زندگی کے جب داستاں بنے ہیں
کیوں زندگی کو ہم نے سوچا ہے لمحہ لمحہ

تنہائیوں کے صدمے کب تک اُٹھائیں گے ہم
اب تک ہیں ہم اکیلے، تنہا ہے لمحہ لمحہ

وہ زندگی ہمیں کو پہچانتی نہیں ہے
جس زندگی کو ہم نے دیکھا ہے لمحہ لمحہ

اک رات ہی سحر کے اور میرے درمیاں تھی
اب کیا بتاؤں کیسے گزرا ہے لمحہ لمحہ

مشقِ ستم تو ہم پہ صدیوں سے ہو رہی ہے
اِس طرح کا تماشہ ہوتا ہے لمحہ لمحہ

اے تاجؔ سوئے گلشن چل کر پتہ لگا لیں
نقشِ قدم سے کس کے مہکا ہے لمحہ لمحہ





دیکھا نہیں ہے آپ نے زخمِ جگر کو یوں
ہم ورنہ روک دیتے کسی چارہ گر کو یوں

مجھ کو یقین ہے کہ مرا رہنما ہے وہ
اُلجھا رہا ہے جو مرے شوقِ سفر کو یوں

منزل سمجھ کے میں بھی بہت خوش خرام ہوں
چمکا گیا ہے کوئی مری رہگزر کو یوں

اُس کے تمام آنسو مرے دل میں جذب ہیں
دیکھا نہیں تھا میں نے کسی چشمِ تر کو یوں

آئینہ جس کو بننا تھا، آئینہ بن گیا
الزام تو نہ دیجئے دستِ ہنر کو یوں

دستِ طلب میں تاج یہ کیا تم نے رکھ دیا
مانگا نہیں تھا میں نے تو لعل و گہر کو یوں





بتائیں گے وہ میرا حالِ جگر کیا
پریشاں نہیں ہیں مرے چارہ گر کیا

نہ پوچھو کہ کیوں اتنی بے تابیاں ہیں
نہیں میری حالت کی تم کو خبر کیا

گیا وہ زمانہ کہ سب کی خبر تھی
اب ایسا ہے عالم کہ شب کیا سحر کیا

ہمارے بھی پاؤں میں چھالے پڑے ہیں
تمہیں کر رہے ہو یہاں پہ سفر کیا

ذرا دیکھ لیتے کرن آرزو کی
نہیں تم کو اتنی بھی تابِ نظر کیا

سفر جب سمندر کا کرنا ہی ٹھہرا
سفینہ ہمارا، اِدھر کیا، اُدھر کیا

یہ دل تاج آئینہ کیسے بنا ہے
تمہیں مِل گیا کوئی دستِ ہنر کیا





دامن جو دریدہ ہیں وہ اب سِل تو رہے ہیں
ہیں سہمے ہوئے لوگ، گلے مِل تو رہے ہیں

یہ بات الگ ہے نہیں رستے کا تعیّن
کچھ لوگ مگر طالبِ منزل تو رہے ہیں

اب دل کو نہیں اپنے کسی کا بھی بھروسہ
جو اب ہیں مسیحا کبھی قاتل تو رہے ہیں

لگتا ہے کہ موافق ہیں یہ موسم کی ہوائیں
کچھ بھی ہو چمن میں ابھی گُل کھِل تو رہے ہیں

ڈُوبے ہیں کئی لوگ مقدّر تھا یہ اُن کا
کچھ ٹوٹے سفینے لبِ ساحل تو رہے ہیں

ملتے نہیں تنہا یہ طبیعت ہے ہماری
محفل میں مگر آپ کی شامل تو رہے ہیں

مانا کہ نہیں آئیں گے اب تا حج دوبارہ
وہ لمحے مگر زیست کا حاصل تو رہے ہیں





دیتا ہے کوئی درس وفا بات بات پر
ہوتا ہے یونہی ہم سے خفا بات بات پر

واقف نہیں ہیں خونِ جگر سے جو آج تک
وہ دیکھتے ہیں رنگِ حنا بات بات پر

مدت سے پتھروں کی پرستش میں جو رہے
اُن کو بھی یاد آیا خدا بات بات پر

طوفاں میں ہے سفینہ تمھارا تو ہم کو کیا
کیوں ہم کو دے رہے ہو صدا بات بات پر

کرتا نہیں ہے کوئی عنایت کا تذکرہ
ہوتا ہے ذکرِ جور و جفا بات بات پر

عادت نہیں ہے جن کو شکایت کی روز و شب
کرنے لگے ہیں ہم سے گلہ بات بات پر

حالانکہ آج کوئی نہیں باوفا یہاں
کرتے ہیں لوگ عہدِ وفا بات بات پر





یہ ماہ و سال، شام و سحر اتفاق ہے
باقی ہے زندگی بھی مگر اتفاق ہے

راہِ وفا میں ساتھ نہیں ہے کوئی مگر
کرتے ہیں ساتھ آپ سفر اتفاق ہے

تاریکیاں زمین پہ پھیلی ہیں آج بھی
جاتی ہے آسماں پہ نظر اتفاق ہے

بچھڑے ہوئے کسی کو زمانہ گزر گیا
وہ مل گیا ہے بارِ دِگر اتفاق ہے

ہم نے کسی کا دل کبھی توڑا نہیں مگر
آتا ہے ہم کو یہ بھی ہنر اتفاق ہے

آبادیاں تو ریت میں ہوتی نہیں کہیں
ہم نے بنا لیا ہے جو گھر اتفاق ہے

ہے تاج اپنے سر پہ امارت کی ہے دلیل
ہم بانٹتے ہیں لعل و گہر اتفاق ہے





قصور اپنا اِتنا تھا، ہم باوفا تھے
چمن میں تھے ہم اور وقفِ سزا تھے

نہ ساحل کو دیکھا نہ طوفان دیکھے
مُسافر سمندر کے سب سے جدا تھے

نہ اتراؤ پھولوں کی اب تازگی پر
چمن تھا تمہارا مگر ہم صبا تھے

اُجالوں میں جانے کہاں کھو گئے ہیں
وہ سائے جو یادوں کا اک سلسلہ تھے

وہی آسماں کی طرح ہم پہ ٹوٹے
وہ دیوار و در جو کبھی آسرا تھے

کبھی ہم کو اے زندگی دیکھ لینا
ترے ہمقدم تھے ترے ہمنوا تھے

ابھی تاج خاموش رہنے دو ہم کو
کبھی ہم قفس میں بھی نغمہ سرا تھے





غمِ دوراں کے پھر مقابل ہوں
زندگی! دیکھ تیرا حاصل ہوں

کشتیوں کا خدا ہی حافظ ہے
تم تلاطم ہو میں بھی ساحل ہوں

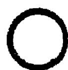
اب بھی تنہا ہوں ذات میں اپنی
بھیڑ میں غم کی میں بھی شامل ہوں

یہ زمیں آسماں سے ملتے ہیں
میں کہاں درمیاں میں حائل ہوں

مجھ کو بھی آپ اپنا غم دیجے
مسکرانے کی میں بھی قابل ہوں

زندگی مجھ سے تاج کہتی ہے
تیری حسرت ہوں، تیرا حاصل ہوں





تلاطم تھا، موجیں تھیں، بے تابیاں تھیں
ہواؤں میں طوفاں کی انگڑائیاں تھیں

یوں لگتا تھا اپنا کوئی ہمقدم ہے
پلٹ کر جو دیکھا تو پرچھائیاں تھیں

ترے پاس آنا تھا پل بھر میں آئے
یہ مانا کہ رستے میں دشواریاں تھیں

حصارِ خودی سے نکل کر جو دیکھا
بہت دُور تک اپنی تنہائیاں تھیں

کچھ اِس طرح ڈوبے کہ ہم پھر نہ اُبھرے
کچھ ایسی تخیّل میں گہرائیاں تھیں

فسانے محبت کے لکھتے رہے تاجؔ
ہماری ہی دنیا میں رسوائیاں تھیں





پھر اپنے سر پہ تاج ہے وقفِ صلیب ہیں
دنیا سمجھ رہی ہے کہ ہم خوش نصیب ہیں

ہم کو یلا کے گھر میں اُجالا تو کیجیے
ہیں چاند تارے دُور، مگر ہم قریب ہیں

کانٹوں سے مل کے آئی ہے گلشن میں پھر بہار
پھر مضطرب چمن میں بہت عندلیب ہیں

دامن میں پھول ہیں نہ تو ہاتھوں میں کوئی زخم
گلشن میں رہنے والے بہت ہی غریب ہیں

کچھ لوگ دفن اپنے مکانوں میں ہو گئے
ویسے بھی اپنے شہر کے منظر عجیب ہیں

حالانکہ تاجؔ اس میں صداقت نہیں کوئی
کہنے کو لوگ کہتے ہیں ہم بھی حبیب ہیں





ہر گھڑی آپ آزماتے ہیں
ہم بھی کیا کیا فریب کھاتے ہیں

ہم کو اپنا کوئی نہیں ملتا
لوگ آتے ہیں، لوگ جاتے ہیں

جل اٹھے تھے جو آرزو کے چراغ
لیجیے آج ہم بجھاتے ہیں

آپ کی رہبری کے کیا کہنے
ہر قدم ہم بھی لڑکھڑاتے ہیں

آپ گرداب میں نہ لے جائیں
ہم تو ساحل پہ ڈوب جاتے ہیں

آپ کے ہم نہیں ہیں، ہمسائے
آپ دیوار میں کیوں اٹھاتے ہیں

تاج کیوں جانے آج بھی کچھ غم
دل کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں





موسم تو بہاروں کے بہت دن سے خفا ہیں
اِس واسطے ہم لوگ بھی مصروفِ دعا ہیں

اظہارِ تمنّا کے کئی رنگ ہیں لیکن
یہ بات الگ ہے کہ اب الفاظ جدا ہیں

اِک عمر سے عادت ہے اُنھیں ترکِ وفا کی
ہم ہیں کہ مگر آج بھی پابندِ وفا ہیں

ہم تو کسی غم سے کبھی مانوس نہیں تھے
ہم آج بہت خوش ہیں کہ وہ ہم سے خفا ہیں

اک عمر سے ہم فیض رسانی کے ہیں عادی
ہم لوگ یہاں آج بھی مانندِ صبا ہیں

کیوں تاجؔ تمھیں ہوتا ہے اب خوفِ سفر کا
ہم جادۂ منزل بھی، ہمیں راہ نما ہیں





جن کو بھی شوق تھا وہی سورج لئے پھرے
کرنوں کی تیز دھار سے ہم لوگ جل گئے

ہم نے ردا اُجالوں کی بس یونہی اوڑھ لی
پھر یہ ہوا اندھیروں سے ہم لوگ بچ گئے

بھٹکا رہا تھا جب بھی ہمیں میرِ کارواں
کچھ لوگ راستے میں ہمیں دفعتاً ملے

تنہائیوں میں سوچتے رہنے کے باوجود
زنداں میں اپنے حوصلے کچھ اور بھی بڑھے

وابستۂ بہارِ تمنّا نہ تھے کبھی
فصلِ بہار آئی تو ہم لوگ ہنس پڑے

ہم ڈوبتے اُبھرتے رہے تا آج عمر بھر
ساحل پہ جن کو رہنا تھا ساحل پہ ہی رہے





گلستاں زیرِ دام ہوتے ہیں
ایسے بھی کچھ مقام ہوتے ہیں

منزلوں کا نشاں بھی ملتا ہے
پتھروں پر بھی نام ہوتے ہیں

مجھ کو اپنی خبر نہیں ہوتی
آپ جب ہمکلام ہوتے ہیں

آپ آتے ہیں جب مرے گھر میں
رات دن خوش خرام ہوتے ہیں

سچ تو یہ ہے خوشی کے کچھ لمحے
دردِ دل کا پیام ہوتے ہیں

تاجؔ لوسا منا ہے منزل کا
فاصلے اب تمام ہوتے ہیں





بچھڑ گئے ہیں کئی لوگ کارواں کی طرح
کوئی مقام نہیں تیرے آستاں کی طرح

اُٹھے اُڑے سے ہیں تیرے خیال کے طائر
زمین دل کی ہماری ہے آسماں کی طرح!

ہمارے ساتھ زمانے کو جاگنا ہوگا
ہمارے خواب جو بکھریں گے آشیاں کی طرح

نہ اُلجھنیں ہیں کہ تم سا کوئی نہیں ملتا
یہ زندگی ہے محبت کی داستاں کی طرح

بتاؤ کونسے جذبے کا ہم یقین کریں
خلوص، پیار، محبت تو ہے گماں کی طرح

ابھی تو زخم وفاؤں کے بھر نہیں پائے
ابھی مہکتا ہے دل اپنا گلستاں کی طرح

چھپا لو تاج تم اشکوں کو اپنی آنکھوں میں
کہیں یہ پھول نہ بن جائیں کہکشاں کی طرح





لبوں پہ نام ترا آیا جب دُعا کی طرح
خوشیاں بھی لگیں مجھ کو اک صدا کی طرح

زمانے والے کبھی ہم سے مطمئن نہ رہے
یہ زندگی بھی ملی ہے ہمیں سزا کی طرح

ہمارے جیسا نہیں ہوگا کوئی محفل میں
رہے گا ذکر مگر حرف آشنا کی طرح

ہمارے دل کو تسلّی ذرا نہیں ہوتی
ترے سلوک میں شامل ہے "کچھ" جفا کی طرح

مرے وجود سے موسم بدلتے رہتے ہیں
برستے رہتے ہیں آنسو بھی تو گھٹا کی طرح

ہر ایک غم سے ہمیں مل گئی نجات اے آج
ہوا ہے زہر ہمارے لئے دوا کی طرح





اس ضبطِ مسلسل سے ہر زخم ہرا ہوگا
یہ دردِ محبت ہے کچھ اور سوا ہوگا

تنہائی کی راہوں میں یہ سوچ کے چلتے ہیں
دو چار قدم آگے کوئی تو کھڑا ہوگا

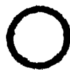
زنداں میں اسیروں کا ہے شورِ فغاں جاری
کیا جانے ہواؤں نے کیا ان سے کہا ہوگا

اب دل کے دھڑکنے کا انداز ہی ایسا ہے
یا آپ گئے ہونگے، یا درد اُٹھا ہوگا

اس ترکِ وفا کا غم ملنا تھا ہمیں تم سے
یہ زخمِ تمنّا بھی تم نے ہی دیا ہوگا

اس سوچ میں بیٹھے ہیں اے تاجِ بیاباں میں
کس طرح بہاروں کا آغاز ہوا ہوگا





کچھ دن سے میرے دل کو خدا جانے کیا ہوا
ہے جادۂ حیات بھی صحرا بنا ہوا

پلکیں ہیں بھیگی بھیگی سی دامن ہوا ہے نم
بہنے لگا ہے درد کا دریا رُکا ہوا

اب تازہ روشنی کے لئے جائیں ہم کہاں
محفل میں اک چراغ ہے وہ بھی بجھا ہوا

اکثر دکھائی دیتا ہے وہ جانے کون ہے
خاموش گھر کے سامنے کوئی کھڑا ہوا

فصلِ بہار آئی ہے، زنداں میں شور ہے
شائد قفس سے آج کوئی پھر رہا ہوا

ہم انتظارِ صبح میں تھے نیند آ گئی
آنکھیں کھلیں تو دیکھا اندھیرا بڑھا ہوا

پتھر کے تاج آپ پرستار کیوں ہوئے
جو ہاتھ میں تھا آپ کے آئینہ، کیا ہوا





زندگی آج بھی ہے آس کا دریا جیسے
ایک ٹوٹے ہوئے دل کی ہو تمنّا جیسے

چشم تر لے کے یہاں لوگ ہنسا کرتے ہیں
زندگی کیا ہے، غمِ دل کا تماشہ جیسے

آج تک ہم بھی طلبگارِ عنایت ہی رہے
خواب پھر خواب ہے، ہر حال میں دھوکہ جیسے

سوزشِ دل کی کئی دن سے یہی حالت ہے
دھوپ میں جلتا ہوا رہتا ہو دریا جیسے

میری تنہائی کا عالم ہے سفر میں ایسا
چاندنی رات میں بھٹکا ہو اندھیرا جیسے

تاجؔ کچھ لوگ ابھی ہم سے خفا رہتے ہیں
آپ کی بزم میں پھر دل ہے اکیلا جیسے





جب موسمِ بہار سے کچھ واسطہ نہ تھا
یادوں کی وادیوں میں کوئی گُل کھِلا نہ تھا

کچھ لوگ ہم پہ کتنے ہی احسان کر گئے
ہم اُن کو بھول جائیں گے یہ حوصلہ نہ تھا

ہم تو تمام عُمر ترے ساتھ ساتھ تھے
اے یادِ خوشگوار! کوئی فاصلہ نہ تھا

ہم داستان لکھنے لگے ہیں حیات کی
ہاتھوں میں اِس سے پہلے کبھی آبلہ نہ تھا

موجوں کے ہی طفیل میں ساحل پہ آ گئے
کشتی تھی اپنی ٹوٹی ہوئی ناخدا نہ تھا

اے منزلِ حیات تجھے پا چکے ہیں ہم
حالانکہ راستے میں ترا نقشِ پا نہ تھا

شبنم مزاج کہتے تھے سب لوگ مجھکو آج
جب گرمیٔ نظر سے مرا دل جلا نہ تھا





غم کی خاموش فضاؤں سے نکل جاتی ہے
تشنگی جب کبھی احساس میں ڈھل جاتی ہے

غالباً ہے مرے دامن کی یہ خوشبو کا اثر
فصلِ گُل دیکھ کے اکثر مجھے جل جاتی ہے

روشنی کی طرح آنکھوں میں چھپا لیے اُسے
شمع جلتی ہے مگر روز پگھل جاتی ہے

آپ کا لہجہ کبھی اِس طرح پہلے تو نہ تھا
بات کہتے ہیں تو آواز بدل جاتی ہے

رنگ سب دل کے اُفق پر جو بکھر جاتے ہیں
دھوپ یادوں کی چٹانوں سے پھسل جاتی ہے

جانتے ہم بھی ہیں یہ دورِ تمنا ہے فریب
زندگی شاد بہر حال بہل جاتی ہے





ہم تجھ کو ہر اک رُت میں صدا دیتے رہینگے
اے نسبتِ دیرینہ! دعا دیتے رہینگے

تم دامنِ مژگاں کو بھگوئے ہوئے رکھنا
ہم درد کے شعلوں کو ہوا دیتے رہینگے

دیکھیں تو یہاں کرتا ہے اب کون وفائیں
سب اہلِ جفا، درسِ وفا دیتے رہینگے

تم کو تو فقط اپنے سفینے سے ہے مطلب
جو ڈوبنے والے ہیں صدا دیتے رہینگے

ہو کوئی بھی موسم ہمیں کچھ فکر نہیں ہے
کانٹوں کو بھی ہم رنگِ حنا دیتے رہینگے

تم خونِ جگر سے یوں ہی لکھتے ہی رہو تاج
ہم رنگ فسانے کو نیا دیتے رہینگے





لیجیے ہمارا غم بھی اب مشہور ہو گیا
آنسو بہاتے رہنا بھی دستور ہو گیا

میرا مداوا آپ سے ممکن نہ ہو سکا
جو زخم دل میں تھا وہی ناسور ہو گیا

پل بھر میں ایک برق سی لہرا کے رہ گئی
میرا چمن کچھ ایسا جلا، طور ہو گیا

ہم بھی غبارِ راہ کی مانند ہو گئے
منزل کی طرح راہ نما دُور ہو گیا

لوٹے ستم جو پھولوں پہ شبنم سے پوچھیے
آئی بہار، باغباں مسرور ہو گیا

دھندلا سا ہو گیا تھا ہر اک گوشۂ حیات
وہ تاج تیرے نام سے پُرنور ہو گیا





جب مرے شہر میں اُجالے تھے
زخم پاؤں میں اور نہ چھالے تھے

آبرو پھر سفر کی کیا رہتی
رہنما خود بھٹکنے والے تھے

ہم کو لطفِ بہار کیا معلوم
پھول گلچیں نے توڑ ڈالے تھے

جانے کیسے اُلجھ گیا دامن
خار پاؤں سے تو نکالے تھے

بس یہی تھا ہمارا سرمایہ
کچھ کتابیں تھیں، کچھ رسالے تھے

تاج کوئی مِلا نہ اپنی طرح
ساری دنیا سے ہم نرالے تھے





کچھ لوگ زندگانی سے یوں بے خبر ملے
منزل ملی نہ اُن کو کبھی راہبر ملے

کیا کیا ملا قفس میں ہمیں کچھ نہ پوچھیے
سانسیں ملیں، حیات ملی، بال و پر ملے

کچھ روز و شب طویل تھے کچھ زندگی بھی تھی
افسانے تیرے میرے مگر مختصر ملے

اب اہتمامِ فیضِ مسیحائی کچھ نہیں
جب زخم مندمل ہوئے تب چارہ گر ملے

ایسا بھی اتفاق کبھی ہو خدا کرے
اپنے مکاں کے بدلے ہمیں تیرا گھر ملے

آنکھوں میں اپنی اب تو کوئی خواب بھی نہیں
سارے چراغ بجھ گئے، اب تو سحر ملے

بچھڑے ہوئے اے تاج زمانہ ہوا مگر
کس کو یقیں تھا ملنے کا، ہم تم مگر ملے





گرم جھونکوں سے یہ سچ ہے کہ پریشاں ہم تھے
فصلِ گل آئی تو پھر چاک گریباں ہم تھے

اب تو سب لوگ ہمیں اہلِ جنوں کہتے ہیں
اس لئے آپ کے غم سے بھی گریزاں ہم تھے

ہم کو غنچہ کی طرح دور نہ پھینکے کوئی
سچ یہی ہے کبھی نزدیکِ رگِ جاں ہم تھے

بجھ گئے شمعوں کی مانند تو کچھ بات نہیں
چاندنی رات، صبا، اور گلستاں ہم تھے

تم کو معلوم نہیں، ہم ہی بتائیں گے تمہیں
شہر محفوظ ہے وہ جس کے نگہباں ہم تھے

آپ سے ملنے کی ہم کو بھی تمنّا تھی بہت
آپ سے مل کے مگر کتنے پشیماں ہم تھے

دیکھنا تاج کبھی یاد ہم آئیں گے تجھے
یہ حقیقت ہے سرِ بزم نمایاں ہم تھے





یہ رسم بہر حال ادا ہو ہی گئی ہے
ہونی تھی وفا ہم سے، وفا ہو ہی گئی ہے

ہم آپ سے پھر آج سزاؤں کے ہیں طالب
دانستہ اگر ہم سے خطا ہو ہی گئی ہے

ہم لوگ سلیقے سے ہی جیتے ہیں یہاں پہ
یہ دنیا مگر ہم سے خفا ہو ہی گئی ہے

ہر روز قیامت ہے تو ہر لمحہ مصیبت
یہ زندگی اب جیسے سزا ہو ہی گئی ہے

چاہا تھا مرے دل نے کرے تجھ سے شکایت
ہونٹوں پہ مرے آکے دعا ہو ہی گئی ہے

اے تاج نہیں تجھ سے جفاؤں کا گلہ کچھ
ہم سے بھی مگر آج جفا ہو ہی گئی ہے





آئینِ وفا ہم کو جو سکھلانے چلے ہیں
اندازہ انھیں کیا، کیسے سمجھانے چلے ہیں

مالک تو کرم کرنا مرے ذوقِ سفر پر
کچھ لوگ مجھے کانٹوں میں الجھانے چلے ہیں

ہونٹوں پہ تبسّم کو سجائے ہوئے رکھیے
پھولوں کی طرح دل کئی مرجھانے چلے ہیں

انجام اب اس کا خدا جانے کہ کیا ہو
ہم دل کو تری بزم میں بہلانے چلے ہیں

اب کام نہیں آئیں گے یہ دستِ ہنر بھی
آئینے، اب آئینوں سے ٹکرانے چلے ہیں

خود آپ کی آنکھوں میں امڈ آئیں گے آنسو
ہم زخمِ جگر آپ کو دکھلانے چلے ہیں

اے تاج ذرا دیکھ سرِ دار ہیں ہم بھی
ہم لوگ وفاؤں کی سزا پانے چلے ہیں





غبارِ راہ کو ہم راہبر بھی کرتے ہیں
رُکے ہوئے ہیں مگر ہم سفر بھی کرتے ہیں

چلے ہیں جانبِ منزل تو بے نیازانہ
ہم آبلوں پہ کبھی اک نظر بھی کرتے ہیں

یہ جانتے ہیں جفا آپ خود نہیں کرتے
ہم آپ کی یہ خطا درگزر بھی کرتے ہیں

یہ اور بات کہ شب کس طرح کٹی ہو گی
شبِ فراق کے مارے سحر بھی کرتے ہیں

کبھی تو موسمِ گُل کی خبر نہیں ہوتی
کبھی تو دل پہ نظارے اثر بھی کرتے ہیں

بہت گلہ ہے ہمیں تاج اپنی سانسوں سے
تمھاری یاد میں کچھ دن بسر بھی کرتے ہیں





زندگی جب بھی مری ذات سے ٹکرائی ہے
میں نے ہر غم کو بھلانے کی قسم کھائی ہے

اب تو ہر تارِ نفس نام ترا لیتا ہے
سانس لینا بھی مرا باعثِ رسوائی ہے

رقص کرتے ہیں کئی شعلے نشیمن میں ابھی
چشمِ پُرنم بھی گلستاں میں تماشائی ہے

ہم کو معلوم ہے منزل نہ ملے گی لیکن
شوق تو آج بھی منزل کا تمنّائی ہے

زندگی! تیری طرح ہم بھی پریشاں ہیں بہت
بے خطا ہم نے یہاں رہ کے سزا پائی ہے

تاج دامن میں ترے چاند ستاروں کا ہجوم
مجھ کو لگتا ہے کوئی شام اُتر آئی ہے





خواہش تو یہی ہے کہ کئی پھول کھلا دوں
صحرا کو گلستانوں کی مانند سجا دوں

دیکھو مرا دامن یہاں پھولوں سے بھرا ہے
جی چاہتا ہے موسمِ گُل کو میں دُعا دوں

تو نے غمِ دوراں مجھے دیوانہ کیا ہے
کیا ہو جو اگر تجھ کو میں دیوانہ بنا دوں

تاریکیاں محفل کی تری یاد ہیں مجھ کو
سُوچا تو یہی تھا کہ چراغوں کو بجھا دوں

کچھ لوگ مرے غم کا مداوا تو کریں گے
اے داغِ تمنّا! تجھے میں کیسے بھُلا دوں

تیری ہی طرح میری بھی اب شکل ہوئی ہے
اچھا ہے کہ اب ہاتھ سے آئینہ گرا دوں

معلوم ہے لے تاآج کہ قاتل ہے یہاں کون
مشکل تو یہی ہے کہ میں کس کس کو سزا دوں



کب میں نے یہ کہا کہ کہیں رنگ و بو نہ ہو
لیکن خدا کرے ترا دامن رفو نہ ہو

اے زندگی، تو آج ہی جی بھر کے بات کر
شائد کہ تجھ سے اپنی کبھی گفتگو نہ ہو

آؤ کہ پاس جاکے ذرا ہم بھی دیکھ لیں
سمجھے ہیں ہم سراب جسے، آب جو نہ ہو

اے زندگی! نہ جانا کبھی اُن کی بزم میں
میری طرح سے تُو بھی کہیں سُرخ رُو نہ ہو

حُسنِ خیال، عہدِ وفا سب فریب ہے
وہ دل بھی کوئی دل ہے جہاں آرزو نہ ہو

کس طرح پا سکے گا وہ منزل کو اپنی تاجؔ
رختِ سفر ہو ساتھ مگر جستجو نہ ہو





منزل نہیں، سراب نہیں، راستہ نہیں
اس پر بھی اپنے ساتھ کوئی رہ نما نہیں

کیوں آپ اپنا چہرہ چھپاتے ہیں بار بار
دل کو ہمارے دیکھئے کیا آئینہ نہیں

خوش فہمیوں کی ویسے بھی عادت ہے کیا کریں
ہم خوش گمان سمجھے کہ تو بے وفا نہیں

ہیں آپ میرے ساتھ تو اک عمر سے مگر
لیکن یہ بات اور کہ غم آشنا نہیں

جذبوں کی قدر کرنے کو جی چاہتا تو ہے
عہدِ وفا کا پھر بھی بھروسہ ذرا نہیں

آتی ہیں اب بھی یاد چمن کی فضائیں تاج
گھٹتا ہے دم قفس میں کہ بادِ صبا نہیں





کس نے کہا تھا آپ سے زحمت اُٹھائیے
دستک دیئے بغیر مرے گھر میں آئیے

موسم کی یہ رُخی نہیں، طوفاں کا ہے سوال
کشتی کو جلنے دیجئے، ساحل بچائیے

غم کی اندھیری راہ سے گھبرا رہے ہیں آپ
پہلے چراغِ عہدِ وفا تو جلائیے

رہبر کی یہ تلاش بھی بے کار جائے گی
منزل کو ڈھونڈنا ہے تو رستے بتائیے

تسکینِ دل کے واسطے یہ بھی ہے اک علاج
تنہائیوں میں میری غزل گنگنائیے

دیوانگیٔ شوق کا حاصل یہی ہے تاجؔ
پھولوں کو چھوڑ دیجئے، کانٹے اُٹھائیے





میری کشتی کے کچھ مقابل ہو
موجِ طوفاں نہیں تو ساحل ہو

غم مجھے دے دیا زمانے نے
کچھ نہ کچھ زندگی کا حاصل ہو

بھیڑ ہے میرے غمگساروں کی
کیا خبر کون اس میں قاتل ہو

صرف اب رقص کرتے رہنا ہے
شورِ نغمہ ہو یا سلاسل ہو

بھول جانا تو میرے بس میں نہیں
تم مری داستاں میں شامل ہو

ہو گئی مجھ کو زندگی آساں
خوف تھا مجھ کو یہ نہ مشکل ہو

تاجؔ آئینہ دل ہے یہ لیکن
کوئی چہرہ تو اِس کے قابل ہو





آئینوں سے سوا ہوئے ہیں ہم
آپ ہی کی ادا ہوئے ہیں ہم

یہ خموشی ہے اپنی گویائی
لوگ سمجھے خفا ہوئے ہیں ہم

آپ ہم سے چمن کی بات کریں
موسمِ گل، صبا ہوئے ہیں ہم

بڑھ گئے ہیں اندھیرے دنیا میں
آپ سے جب جُدا ہوئے ہیں ہم

آپ کی سمت لوٹ آئیں گے
گنبدوں کی صدا ہوئے ہیں ہم

محوِ حیرت ہے ہم پہ یہ دنیا
کیا بتائیں کہ کیا ہوئے ہیں ہم

کہہ رہے ہیں یہ مہر و ماہ و نجوم
تاج تم پہ فدا ہوئے ہیں ہم





گرنے لگا ہے ہاتھ سے آئینہ تھام لے
اے یادِ خوشگوار، نہ اب انتقام لے

تھک کر نہ بیٹھ جائیں کہیں رہروانِ شوق
گم ہو نہ جائیں قافلے، منزل کا نام لے

وابستۂ بہار ابھی ہم نہیں مگر
ہر پھول کہہ رہا ہے میرا سلام لے

یہ گردشِ حیات کبھی رک ہی جائے گی
آواز دے کسی کو یا مجھ ہی کو تھام لے

خود داری کہہ رہی ہے کہ دل تشنہ لب رہے
اور پیاس کہہ رہی ہے کہ ہاتھوں میں جام لے

دیوار گر ہی جائے گی اے تاجؔ درد کی
تو موجِ انقلاب ہے، ہمّت سے کام لے





کون کہتا ہے صحنِ گلشن ہے
دیکھئے تا! ہمارا دامن ہے

آرزو کے گلاب کھلتے ہیں
دل ہمارا گلوں کا مسکن ہے

چاندنی دور تک نہیں لیکن
میرے دل کا مکان روشن ہے

موسمِ گل کی مہربانی سے
شاخ ہے، پھول ہیں، نشیمن ہے

دیکھئے آپ میری پلکوں کو
چاند تاروں کی جیسے چلمن ہے

اس کا کوئی سرا نہیں ملتا
زندگی تاج ایسی الجھن ہے





تری انجمن کیا تماشا نہیں ہے
پرائے ہیں سب کوئی اپنا نہیں ہے

سبھی چہرے لگتے ہیں اب اجنبی سے
یہاں کوئی بھی میرے جیسا نہیں ہے

تبسّم، تکلّم، تصوّر، تمنّا
مرے دل کی دنیا میں کیا کیا نہیں ہے

ابھی تک مری ہمسفر ہے خموشی
کسی نے بھی مجھ کو پکارا نہیں ہے

ہے اب سانس لینا بھی مجبوری میری
مجھے زندگی کی تمنّا نہیں ہے

مرے ساتھ رہتا ہے تیرا تصوّر
مرا دل کہیں بھی اکیلا نہیں ہے

ابھی آج شمعیں جلاؤں میں کیسے
ابھی تو کہیں بھی اندھیرا نہیں ہے





تم نے اپنا بنا کے چھوڑ دیا
ایک طوفاں اُٹھا کے چھوڑ دیا

اُس کا مفہوم ہم کو سمجھا دو
جو فسانہ سُنا کے چھوڑ دیا

وہ ترستا رہا اُجالوں کو
جس نے گھر کو جلا کے چھوڑ دیا

یہ یقیں تھا کہ کوئی آئے گا
ہم نے گلشن سجا کے چھوڑ دیا

دامنِ گُل تھا اُن کے ہاتھوں میں
جانے کیوں مسکرا کے چھوڑ دیا

تم نے پائی بہار کی منزل
ہم کو صحرا میں لا کے چھوڑ دیا

تاج ایسا کہا ہے کیا تم نے
اک جہاں کو رُلا کے چھوڑ دیا





انتظارِ سحر تو کرنا ہے
رات کچھ ہو بسر تو کرنا ہے

کوئی منزل ہمیں ملے نہ ملے
ساتھ اُن کے سفر تو کرنا ہے

پھر کوئی بھی نہ ٹھوکریں کھائے
صاف اب رہگذر تو کرنا ہے

زخم کس نے لگائے کیا معلوم
یہ خطا درگزر تو کرنا ہے

وہ جو صحرا نورد ہیں اُن کو
فصلِ گُل کی خبر تو کرنا ہے

تاج کچھ راستے میں پتھر ہیں
ان پہ بھی اک نظر تو کرنا ہے





صحرا کی سرزمین گلوں سے سنور گئی
آخر ہمارے درد کی خوشبو بکھر گئی

بھیگی ہوئی سی ریت میں موتی بھی دفن تھے
ساحل پہ آکے موجِ بلا بھی ٹھہر گئی

آسودہ ہو چکی تھی تری چشمِ نم مگر
میرے غمِ حیات کا پیمانہ بھر گئی

لے کر پیامِ زندگی پھر آگئے ہیں آپ
جب ساعتِ حیات ہماری گزر گئی

کس کو خبر کہ کیسے ہوئی ہم سے یہ خطا
دل کے ورق پہ آپ کی صورت اتر گئی

جلنے لگے ہیں آپ کی آنکھوں میں بھی چراغ
اس طرح اپنی شامِ تمنا سنور گئی

آہٹ پہ چونکتے رہے ہم تاجؔ بار بار
عالم میں انتظار کے اپنی گزر گئی





انتظارِ سحر سے پہلے بھی
کچھ جلا ہے شرر سے پہلے بھی

تذکرہ تھا مرا زمانے میں
ذکرِ شمس و قمر سے پہلے بھی

یہ الگ بات راہ بھول گئے
آپ گزرے اِدھر سے پہلے بھی

طے ہوا جیسے منزلوں کا سفر
یوں ہوا ہے سفر سے پہلے بھی

روز و شب جستجو کی راہوں سے
ہم چلے راہ بر سے پہلے بھی

تاج ہم ہو گئے ہیں شرمندہ
آپ کی چشمِ تر سے پہلے بھی





کس کو ہے اب شکوہ گلہ تم بھی خوش اور ہم بھی خوش
پوری ہو گئی رسمِ وفا تم بھی خوش اور ہم بھی خوش

شبنم کو پلکوں پہ رکھو دامن میں ہم پھول رکھیں
گلشن ہو نہ بادِ صبا تم بھی خوش اور ہم بھی خوش

آنکھوں سے جب برسیں آنسو کتنے دامن بھیگ گئے
سب کو یہ محسوس ہوا تم بھی خوش اور ہم بھی خوش

غم کی شمعیں روشن تھیں کانٹوں پہ ہم چلتے تھے
پھر بھی دنیا سے یہ کہا تم بھی خوش اور ہم بھی خوش

بھیگی بھیگی ریت پہ ہم نام تمہارا لکھتے ہیں
طوفاں آکر لوٹ گیا تم بھی خوش اور ہم بھی خوش

تاجؔ! بہت ہی مشکل تھا غم کی فضاؤں میں جینا
آ ہی گئی جینے کی ادا تم بھی خوش اور ہم بھی خوش

